اخیار امت کی نمازوں کے باطنی کوائف مثلاً نماز کے لیے ان کا ذوق و شوق، جماعت کے اہتمام، خضوع و خشوع اور حضور قلب و استغراق وغیرہ کے واقعات کو موثر انداز مین نقل کیا ہے، جس سے نماز کی اصل روح ظاہر ہو جاتی ہے،

تفسیر حقانی دو جز، تقطیع بڑی ضخامت بالترتیب ۸۷، و ۱۱۲ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

مولانا عبد الحق حقانی دہلوی کی تفسیر، اردو کی مشہور تفسیر دن مین ہے، یہ عرصہ سے نایاب تھی، اس لئے کتب خانہ نعیمیہ دیوبند نے اس کو دوبارہ شایع کرنا شروع کیا ہے، فی الحال اس کے دو حصے شایع ہوئے ہین، پہلا حصہ سورہ فاتحہ اور دوسرا پہلے پارہ کے ربع اول کی تفسیر پر مشتمل ہے، جن لوگون کو اردو تفسیر کے مطالعہ کا شوق ہو انکو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے،

حقائق و معارف مرتبہ جناب منشی عبد الرحمن صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۰ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ہے، پتہ ادارہ نشر المعارف چہلیک ملتان شہر

اب تک مصنف کی صرف نثری تصانیف نظر سے گذری تھین، اب معلوم ہوا کہ وہ نظم کا بھی سنجیدہ ذوق رکھتے ہین، چنانچہ انھون نے حقایق و معارف کے نام سے اردو کے منتخب اخلاقی حکیمانہ اور عارفانہ اشعار کا یہ مجموعہ مرتب کیا ہے، اس مین ۹۷ عنوانات کے ماتحت اس دور کے بہت سے شعراء کے حکیمانہ اور سبق آموز اشعار مرتب طریقہ سے جمع کئے گئے ہین، اس انتخاب مین اشعار کے ظاہری محاسن کے بجائے ان کے معنوی حسن اور افادہ و سبق آموزی کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے، تاہم اس کا بڑا حصہ ظاہری محاسن شاعری سے بھی آراستہ ہے آجکل جبکہ شاعری کا ایک طوفان بپا ہے، اور آئے دن خرافات کے مجموعے نکلتے رہتے ہین، یہ سنجیدہ اور مفید انتخاب قابل قدر ہے،

"م"

جلد ۷۹ ماہ شوال المکرم ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۵۷ء نمبر ۵

فہرست مضامین

شذرات

پروفیسر اجمل خاں صاحب نے کئی سال ہوئے "مختصر سیرت قرآنیہ" کے نام سے ایک سیرت لکھی تھی جسکا مقصد کلام مجید کی نزولی ترتیب کی روشنی میں سیرت نبوی کا مطالعہ ہے، اس حد تک تو کوئی مناقشہ نہیں بشرطیکہ اس سے قرآن مجید کی نزولی ترتیب کا فتنہ نہ پیدا ہونے پائے، آج سے چند سال پہلے بھی بعض حلقوں کی جانب سے اس قسم کی تحریک ہوئی تھی، مگر خود بخود دب گئی، جن لوگوں کے دماغ میں اس قسم کے خیالات آتے ہیں، ان کو غور کرنا چاہیے کہ خود حضرت علیؓ جنھوں نے قرآن مجید کو نزولی ترتیب پر مرتب کیا تھا، قرآن کو اختلاف سے بچانے کے لیے اپنے زمانہ میں بھی اپنے مرتب کردہ مصحف کو رائج نہیں کیا، بلکہ عہد صدیقی ہی کے مرتب کردہ مصحف کو جس پر امت کا اتفاق ہو چکا تھا، قائم و برقرار رکھا، حتی کہ شیعوں نے بھی کبھی اس کی کوشش نہیں کی، باقی جو شخص نزولی ترتیب کے مطابق قرآن مجید یا اس کی روشنی میں سیرت نبوی کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے، تو وہ کرسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں،

اس کتاب کا ایک بڑا قابل اعتراض پہلو وحی الٰہی کی غلط تعبیر ہے، مصنف نے اسکی جو تعبیریں کی ہیں وہ نہ صرف مسلمانوں کے مسلمہ عقیدے کے خلاف ہیں، بلکہ ان میں تضاد بھی ہے، چنانچہ انھوں نے کہیں تو وحی الٰہی کو فکر نبوی سے اور کہیں پیغمبر کے ضمیر کی آواز سے تعبیر کیا ہے، اور کہیں اس معنی میں قرآن مجید کو وحی مانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر خدا کی جانب سے جو خیالات طاری ہوتے تھے، انکو آپ اپنے الفاظ میں بیان کردیتے تھے یعنی معنی منجانب اللہ ہوتے تھے، اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، یہ سب تعبیریں غلط ہیں، پہلی دونوں تعبیروں کی غلطی تو کھلی ہوئی ہے کہ اس صورت میں قرآن مجید

کلام الٰہی نہیں رہتا، بلکہ کلام نبوی بنجاتا ہے جس کو کوئی مسلمان بھی نہیں مانتا، تیسری تعبیر اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس صورت میں وحی اور الہام اور پیغمبر اور صاحب الہام میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا اور الہام ایک ظنی چیز ہے، اور وحی قطعی اور یقینی، دوسرے کلام مجید کے وحی ہونے کے مسلمہ معنی یہ ہیں کہ وہ لفظاً اور معناً دونوں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو فرشتہ کے ذریعہ آپ پر نازل ہوا، اس پر بکثرت آیات قرآنی شاہد ہیں، اس مسئلہ پر حضرت سید صاحبؒ کا مفصل مضمون بھی معارف میں نکل چکا ہے، اسی لیے یہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے، ہم کو امید ہے کہ مصنف بھی اس متفقہ عقیدے کو متزلزل کرنے کی کوشش نہ کریں گے، مسلمانوں میں یوں ہی عقائد کا اختلاف کیا کم ہے کہ اس میں ایک اختلاف کا اور اضافہ کیا جائے، اور مصنف کا مقصد تو اتحاد فرق بلکہ وحدت ادیان بھی ہے، اس لیے ان پر یہ فرض اور بھی زیادہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اور مسلمانوں کے متفقہ عقیدہ میں اختلاف نہ پیدا کریں،

مولانا شبلی مرحوم مئی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے تھے، اس حساب سے اس مہینہ ان کی پیدائش پر ایک صدی پوری ہوگئی، اس لیے بعض حلقوں کی جانب سے ان کی صد سالہ یادگار منانے کی تحریک کی جارہی ہے، اور صدق جدید، ہماری زبان اور نوائے ادب وغیرہ نے بھی اسکی تائید کی ہے، اگرچہ اس قسم کی یادگار منانا محض ایک رسمی چیز ہے، مگر اس سے ایک فائدہ بھی ہے کہ اس بہانہ سے ایک علمی تقریب ہو جاتی ہے اور صاحب یادگار کے متعلق اور عام علمی موضوعوں پر مفید مقالات کا ایک مجموعہ تیار ہو جاتا ہے، اسلیے ہمارے ذہن میں بھی یہ خیال آیا تھا کہ اس درمیان میں تجویز سامنے آگئی، اسکی سادہ اور آسان شکل تو یہ ہے کہ اس یادگار میں معارف کا ایک خاص نمبر نکال دیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ دارالمصنفین میں اہل علم کا اجتماع کیا جائے، اور علمی موضوعوں پر مقالات پڑھے جائیں، اور انکا مجموعہ شائع کیا جائے، گو اس صورت میں مصارف زیادہ ہوں گے لیکن تقریب کے شایان شان یہی صورت بہتر ہوگی، مگر آجکل دارالمصنفین کی مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ اس تقریب کے مصارف کا بار برداشت کرسکے، اگر علامہ شبلی کے صاحب ثروت عقیدتمند اور دارالمصنفین کے قدر دان اسکا سامان کردیں تو البتہ ممکن ہے، ورنہ حسب

دارالمصنفین کے مالی حالات اسکی اجازت دینگے اسوقت یادگار منائی جائیگی، یہ ضروری نہیں ہو کہ صدی پوری ہونے کے ساتھ ہی منائی جائے، ہم کو اس بارہ میں دوسرے معاصرین کے مشورے اور تجویز کا انتظار ہے،

مئی کے فاران میں حضرت سید صاحبؒ کے کسی عقیدتمند کے قلم سے حیات سلیمانی کی تالیف اور انکے متعلق دوسرے کاموں کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، اور ان کا اجمالی نقشہ بھی پیش کیا گیا ہے، صدق جدید میں اسی قسم کی ایک تجویز کے جواب میں مارچ کے معارف میں ان امور کے متعلق ہم پوری تفصیل لکھ چکے ہیں، غالباً یہ پرچہ مضمون نگار کی نظر سے نہیں گذرا، ورنہ اس مضمون کی ضرورت نہ پیش آتی، انھوں نے علامہ شبلی کے تلامذہ کے ہاتھوں انکے علمی و ادبی آثار اور حیات شبلی کی ترتیب تالیف و اشاعت کا جو حوالہ دیا ہے، اسکے متعلق گذارش ہو کہ حضرت سید صاحبؒ کے متعلق بھی یہ سب کام پیش نظر ہیں جو انشاء اللہ رفتہ رفتہ ہوں گے، مضمون نگار کو یہ بھی غور کرنا چاہئے تھا کہ یہ کام علامہ شبلی مرحوم کی وفات کے کتنے دنوں بعد انجام پائے اور ابھی سید صاحبؒ کی وفات پر کے دن گذرے ہیں کہ اسکو تاخیر پر محمول کیا جائے، انشاء اللہ سب کام ہونگے مگر اسمیں کچھ عرصہ لگے گا، تاہم مضمون نگار کے مفید مشوروں کے ہم شکر گذار ہیں، اس سے یہ فائدہ بہرحال ہوتا ہو کہ ان کاموں کیجانب سے غفلت نہیں ہونے پاتی،

تھوڑے دن ہوئے دمشق کے مشہور ادارے المجمع العلمی نے دارالمصنفین کو کچھ کتابیں ہدیۃً بھیجی ہیں، ان میں سے بعض اہم اور پڑھنے کے لائق ہیں، معارف میں انکا تذکرہ دینا اسلیے مناسب معلوم ہوا کہ جن شائقین کو اسکا ذوق ہو وہ منگا سکیں،

(۱) المہرجان الالفی لابی العلاء المعری یعنی ابو العلاء معری کی ہزار سالہ جوبلی کی روداد جو دمشق میں چند سال ہوئے منائی گئی تھی، اسمیں وہ مقالات بھی ہیں جو جوبلی کے موقع پر پڑھے گئے تھے (۲) رسالۃ الملائکہ، یہ معری کا ایک نایاب رسالہ ہے، جو جوبلی کی یادگار میں شائع کیا گیا ہو، اسکے بعض اجزاء پہلے بھی شائع ہو چکے تھے، مگر مکمل رسالہ پہلی مرتبہ شائع ہوا ہو (۳) البیزرۃ، یہ کتاب فاطمی خلیفہ عزیز باللہ کی تصنیف ہو، اسکو شکار کا اتنا شوق تھا کہ شکاری خلیفہ اس کا لقب ہو گیا تھا، اس نے شکاری پرندوں باز اور بحری وغیرہ کے اقسام، انکی پرورش اور علاج وغیرہ پر یہ کتاب لکھی تھی، موضوع کی جدت کے لحاظ سے کتاب عجیب اور لائق مطالعہ ہو (۴) محاضرات المجمع العلمی، یہ ان خطبات اور مقالات کا مجموعہ ہے جو مشاہیر فضلاء و اہل علم نے المجمع العلمی میں پڑھے تھے، یہ تین ضخیم جلدوں میں ہیں، انکے علاوہ بعض اور چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں، جو چنداں اہم نہیں ہیں،

مقالات

مولانا خرم علی بلہوری اور اُن کی علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ

از

مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی، فاضل دیوبند،

ہندوستان کے آخری دور کے جن علماء نے مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کے لیے انتھک کوششیں کیں، حدیث کا چرچا کیا، اور نکھری ہوئی توحید کی دعوت دی، ان میں مولانا خرم علی بلہوری کا نام بہت ممتاز ہے،

نام اور تخلص خرم علی نام اور خرم تخلص تھا، مضافات کانپور کے قصبۂ بلہور کے فیاض نامی محلہ میں پیدا ہوئے، جہاں شرفاء کے چند گھرانے آباد تھے، اور اسی قصبہ کے نسبت سے بلہوری مشہور ہوئے،

تعلیم و تربیت آپنے ابتدائی تعلیم گھر پر پائی، اور اس کے بعد لکھنؤ چلے گئے، لکھنؤ اس زمانہ میں علوم و فنون کا مرکز تھا، یہاں ابتدائی کتابیں اساتذۂ وقت سے پڑھیں اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی سے کی اور آپ ہی کے حلقۂ درس سے حدیث کی سند لی، چنانچہ موصوف کا بیان ہے

"میں نے اپنے استاذ مرزا حسن علی (صغیر) محدث سے سنا وہ اپنے اساتذہ سے نقل کرتے

تھے کہ ممنوع وہ سیاہ خضاب ہے جو وسمہ کے سوا اور چیزوں سے ہو[1]"

اسی طرح موصوف نے مولانا نور لکھنوی سے بھی حدیث کا سماع کیا تھا، چنانچہ "تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار" کا جو نسخہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوا تھا، اس کے آخر میں مولانا خرم علی کا نہایت مختصر سا تذکرہ بھی مذکور ہے، اس میں ہے:

"آپ نے مولوی نور صاحب اور مرزا حسن علی صاحب محدث سے علم حدیث حاصل کیا تھا"

مولانا نور لکھنوی اپنے وقت کے شیخ الحدیث اور اتقیاے روزگار میں سے تھے، "ارشاد رحمانی" میں موصوف کے متعلق مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کا یہ بیان منقول ہے:

"ایک مرتبہ مولوی نور صاحب اور مولانا انوار صاحب لکھنوی اور شاہ عبد العزیز صاحب اور شاہ عبد القادر رحمہم اللہ کا ذکر آیا، کسی کی نسبت ارشاد ہوا کہ صلحاے وقت سے تھے کسی کی نسبت فرمایا ذاکر و شاغل تھے[2]"

پھر دہلی جا کر جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے[3] شاہ عبد العزیز دہلویؒ کے حلقۂ درس حدیث میں شریک ہو کر حدیث کی سند لی، پھر وطن آئے، لیکن زیادہ عرصہ قیام نہیں رہا، اور جلد ہی اپنے ننھیال قصبۂ آسیون (جو اناؤ کے مضافات میں ہے) میں منتقل ہو گئے، اور محلہ قاضیانہ میں حکیم اسحاق کی حویلی کے صدر دروازہ کی بالائی منزل میں رہنے لگے، اور یہیں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا شغل اختیار کیا،

عادات و اخلاق | آپ نہایت پرہیزگار، متواضع، با اخلاق اور درویش سیرت بزرگ تھے، چھوٹی

[1] "غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار" طبع نولکشور ۱۹۲۵ء ج ۴ ص ۴۶۸ [2] "ارشاد رحمانی و فضل یزدانی" از محمد علی مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ ص ۳۰، افسوس! اس سے زیادہ موصوف کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔

[3] ملاحظہ ہو موصوف کا مضمون "ہندوستان میں علم حدیث" معارف جلد ۲۲ شمارہ نمبر ۵

چھوٹی باتوں میں بھی شریعت کا بڑا خیال رکھتے اور نہایت سختی سے اس پر عمل کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے اور اساتذہ اور بزرگوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔

مولانا کا مسلک | اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ موصوف ابتدا میں روش عام کے مطابق پکے حنفی تھے، لیکن بعد میں تقلید سے آزاد ہو گئے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، امام خان ابو یحییٰ صاحب نوشہروی کا خیال ہے کہ اخیر عمر میں حدیث کی طرف میلان ہوا اور تقلید سے آزاد ہو گئے، اور اسی پر خاتمہ ہوا، چنانچہ لکھتے ہیں:

"ابتداءً روش عام کے مطابق غالی مقلد اور بقول صاحب تذکرۂ علماے ہند منع قرأت، فاتحہ خلف الامام پر رسالہ لکھا، مگر جب قسمت نے پلٹا کھایا اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی مصاحبت نصیب ہوئی تو اتباع سنت و من غیر تقلید کا رنگ شوخ ہوتا گیا، اور اسی پر خاتمہ ہوا[1]"

لیکن مولانا خرم علیؒ کی کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ آخر دم تک فقہ حنفی پر عامل اور تقلید کے قائل رہے، چنانچہ اپنی آخری اور مشہور تالیف "غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار" میں مسائل شتی کے عنوان کے تحت خضاب کی بحث میں لکھتے ہیں:

"اور ہم حنفیوں کا مذہب یہ ہے کہ حنا اور وسمہ کا رنگ خوب ہے[2]"

حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت اور خلافت | مولانا خرم علی سنت کے متبع، طریقت کے شیدا اور توحید کے بڑے دلدادہ تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سید احمد شہیدؒ لکھنؤ وارد ہوئے تو آپ نے سید صاحبؒ کے دست حق پر بیعت کی، اور بڑی جلدی مدارج کمال کو طے کر لیا، سید صاحبؒ

[1] "ہندوستان میں علم حدیث بطریق تالیف و علوم حدیث" معارف جلد ۶۰ دسمبر ۱۹۴۷ء

[2] غایۃ الاوطار، طبع نولکشور، ج ۴ ص ۴۶۸

نے بھی آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا، چنانچہ محمد جعفر تھانیسری نے "تواریخ عجیبہ" میں جہاں سید صاحبؒ کے خلفاء کو نام بنام گنایا ہے، وہاں مولانا خرم علی کا نام بھی ہے[1]۔

چونکہ مولانا خرم علی رسم و رواج اور بدعت کے ابتدا ہی سے سخت مخالف تھے، سید احمد بریلویؒ سے بیعت کے بعد یہ شراب اور بھی دو آتشہ ہوگئی، چنانچہ مولوی رحمان علی "تذکرہ علماء ہند" میں لکھتے ہیں:

"ہموارہ در قلع بدعت و احیاء سنت می کوشید"

سید صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد مولانا خرم علیؒ کے تعلقات سید صاحبؒ کے خلفاء سے عموماً اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے خصوصاً بڑے اچھے ہوگئے تھے، چنانچہ آپ نے بھی شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے طرز پر رد بدعت اور احیاء سنت کے لیے بڑی کوشش کی اور "تقویۃ الایمان" کے انداز پر "نصیحۃ المسلمین" لکھی، مگر اس میں توازن قائم رکھا اور اعتدال کی راہ اختیار کی، بات وہی کہی جو شاہ اسماعیل شہیدؒ کہتے تھے، طرز بیان بھی سادہ اور دلنشین اختیار کیا، اگر اعتدال سے سرمو انحراف نہ ہوسکا اور یہی آپ کا بڑا کمال ہے۔

جب سید صاحبؒ نے جہاد کی دعوت دی اور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا، اس زمانہ میں آپ نے ایک نہایت ہمت آفریں نظم لکھی، جو رسالہ جہادیہ کے نام سے مشہور ہے،

جہاد میں شرکت کے لیے روانگی

مولانا خرم علی جہاد میں شرکت کے لیے اپنے ساتھ کم و بیش سو مجاہدین

[1] "تواریخ عجیبہ موسوم بہ تواریخ احمدی" مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۱۸۵ [2] بلہور کے بعض بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ مولانا خرم علی بلہوری جب تعلیم سے فارغ ہوکر وطن لوٹے، اسی زمانہ میں آپ کی بہن کی شادی ہوئی، والدہ ماجدہ شادی میں پوری رسمیں کرنا چاہتی تھیں، آپ نے سمجھایا، مگر وہ رسمیں کرنے پر مصر رہیں، آپ کو اس قدر ناگوار ہوا کہ اسی زمانہ میں بلہور سے اپنے ننہال قصبہ اسیون آگئے اور پھر کبھی بلہور نہیں گئے۔

کا ایک قافلہ ہندوستان سے لیکر سرحد پہنچے تھے، سید صاحبؒ جب دورۂ سوات سے فارغ ہوکر پنجتار پہنچے، اس وقت ہندوستان سے جو قافلے آئے، ان میں مولانا خرم علی بلہوریؒ کا قافلہ بھی تھا، چنانچہ مولوی رحیم بخش "اسلام کی دسویں کتاب" میں لکھتے ہیں:

(سید صاحبؒ) "فتحیاب ہوکر پنجتار کو لوٹ آئے اور راہ میں خبر سنی کہ ہندوستان سے قافلہ احمد علی ہمشیرہ زادہ سید صاحبؒ اور قافلہ مولوی مظہر علی عظیم آبادی اور قافلہ مولوی خرم علی اور قافلہ محمد علی رامپوری اور قافلہ مولوی محبوب علی دہلوی آیا، یہ لوگ قریباً چھ سو آدمی کے تھے، لیکن مولوی محبوب علی دہلوی تیز مزاج تھے، بن آئی اس لیے دہلی کو واپس تشریف لائے[1]۔"

منشی محمد جعفر تھانیسری کا خیال ہے کہ موصوف بھی ان لوگوں میں سے تھے جو کبیدہ خاطر ہوکر جہاد سے واپس گئے تھے، چنانچہ "تواریخ عجیبہ" میں لکھتے ہیں:

"مولوی خرم علی بلہوری صاحب نصیحۃ المسلمین، ان کی اور بھی تصانیف ہیں، رسالہ جہادیہ بھی ان ہی کی تصانیف سے ہے، افسوس ہے کہ یہ بزرگ باوجود اوصاف قبل از معرکۂ بالاکوٹ رنجیدہ ہوکر ہندوستان کو لوٹ آئے تھے[2]۔"

لیکن مولانا غلام رسول مہر کو موصوف کے اس بیان سے اختلاف ہے، چنانچہ "جماعت مجاہدین" (طبع لاہور ص ۲۹۴) میں لکھتے ہیں:

"مشہور ہے کہ سید صاحبؒ کے ساتھ جہاد کے لیے گئے تھے، وہاں سے واپس آگئے، اور غالباً سید صاحبؒ نے انھیں دعوت و تبلیغ کے لیے مقرر کر دیا"

[1] اسلام کی دسویں کتاب الملقب بہ تاریخ لب لباب" مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۱ھ ص ۲۳۲

[2] "تواریخ عجیبہ" مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۱۸۵

ہمارا بھی یہی خیال ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ منشی محمد جعفر تھا نیسری کا مذکورہ بالا بیان کسی غلط فہمی پر مبنی تھا، کیونکہ مولانا خرم علیؒ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے، آپ کے حالات کے مطالعہ اور سید صاحبؒ کی مردم شناسی کے پیش نظر یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ سید صاحبؒ نے موصوف کو دعوت و تبلیغ کے واسطے ہندوستان واپس بھیجدیا تھا، دراصل سید صاحب کا یہی بڑا کمال تھا کہ وہ ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور منصب کے مطابق کام لیتے تھے،

آپ ہندوستان تشریف لائے، ادھر بالاکوٹ کا معرکہ پیش آیا، اور سید صاحب شہید ہوگئے۔ بظاہر تحریک کا خاتمہ ہوگیا، لیکن سید صاحب کے خلفاء نے جہاد سے منہ نہ موڑا اور اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لئے اور قوم و ملت .... کی صلاح اور فلاح کے لیے جو مناسب سمجھا بروئے کار کیا، بعض نے جہاد بالسیف ہی کے لیے خفیہ کوششیں جاری رکھیں، اور بعض نے جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کی راہ اختیار کی، اور تصنیف و تالیف اور وعظ و تبلیغ سے اس دعوت کو قائم رکھنے اور دین کو توہمات اور شرک و بدعت سے پاک کرنے کے لیے تادم مرگ جدوجہد کی۔

مولانا مسعود عالم ندوی "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں لکھتے ہیں:

"سید صاحبؒ کے دست مبارک پہ بے شمار علماء نے جہاد و اصلاح کی بیعت کی، ایک اچھی خاصی تعداد سرحد کے معرکوں میں کام آئی، دوسروں نے شرک و بدعت کے مٹانے میں بڑی نمایاں خدمتیں انجام دیں، اور بلاشبہ آج اسلامی ہند میں جو کچھ صحیح الخیالی اور اتباع سنت کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ ان ہی ارباب صدق و صفا کی کوششوں کا رہین منت ہے"[1]

---

[1] "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" مولفہ مولانا مسعود عالم ندوی، مکتبہ ملیہ، راولپنڈی ص ۵۲

مولانا خرم علی معرکۂ بالاکوٹ کے بعد دعوت و اصلاح کی غرض سے مستقل طور پر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے، چنانچہ بعض کتابوں کا ترجمہ مسلمانوں کی اصلاح اور ترویج سنت کی غرض سے کیا، اور بعض کا احباب کے اصرار سے اور بعض کا اہل مطابع کی فرمایش پر، اخیر عمر میں نواب ذوالفقار علی رئیس باندا نے اپنے یہاں بلایا تھا، اور ان ہی کی فرمایش سے فقہ کی عظیم الشان کتاب درالمختار کا ترجمہ شروع کیا تھا،

وہابیت کا الزام | بعض علماء نے ان مصلحین کو غلط فہمی کی بنا پر محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا ہم مسلک اور ہم عقیدہ سمجھا، اور بعض نے عناد کی وجہ سے محض اپنی شہرت اور ناموری کی خاطر ان پر بے بنیاد الزامات لگائے، تاکہ یہ لوگ بدنام ہوں اور تحریک دعوت و اصلاح بھی کامیاب نہ ہوسکے، چنانچہ ان مصلحین کے متعلق مشہور کرایا کہ یہ بزرگوں کے قائل نہیں، نذر نیاز کے منکر ہیں انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں حضور کی عظمت کے قائل نہیں، ان کے اعتقادات سلف صالحین کے خلاف ہیں، ان کا تعلق محمد بن عبدالوہاب نجدی سے ہے، اور یہ وہابی ہیں، غدر کے بعد برطانوی حکومت نے اس اختلاف سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور ان کے خلاف اسی حربے کو استعمال کیا، جو سب سے زیادہ کارگر ثابت ہوا، چنانچہ سادہ لوح مسلمان ہی نہیں بلکہ ان کا اچھا خاصہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا،

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوستان میں وہابیت کا کوئی متعین مفہوم اور اس کی کوئی واضح تعریف نہ تھی، بلکہ محض ایک پروپیگنڈا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اس کا مفہوم بدلتا رہا ہے، اور وہابی ہر جگہ جدا جدا معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خاں "روضۃ الخضیب" میں لکھتے ہیں:

"پس اہل بدعت تقویۃ الایمان و نصیحۃ المسلمین و کتاب التوحید و اقتضاء الصراط المستقیم

وامثال ایں رسائل جاورا کتب مذہب وہابیہ نامیدہ اند، انصاف باید کرد کہ دریں رسائل جا دکجا است انچہ ہست بسوے مراتب تقویٰ و طہارت وہدایت وارشاد

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

طرفہ آنکہ تہمت وہابیت در ہر شہر و ہر قطر رنگ دیگر دارد، در دکن وہابی کسے ست کہ مسکرات راشل سیندھی تارک باشد، ودر بمبئی وہابی کسے ست کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ نگوید، ودر اودھ وہابی کسے ست کہ تقلید مذاہب مروجہ نماید، ودر دہلی کسے ست کہ گور نمی پرستد، ودر بدایوں کسے ست کہ معتقد بدعات مشائخ نیست، ودرحرمین شریفین کسے ست کہ ہم عقیدۂ اہل نجد باشد"۔[1]

مولانا خرم علیؒ کے ابتدائی دور ہی میں یہ اعتراض اتنے عام ہو گئے تھے کہ موصوف کو اپنی تالیفات میں اس کی تردید کرنی پڑی، چنانچہ نصیحۃ المسلمین میں فرماتے ہیں:

بیانِ شرک سن کہتے ہیں مردک　　کہ منکر ہیں بزرگوں کے بلاشک
ارے لوگو! زباں اپنی کو روکو　　بزرگوں سے نہیں انکار ہم کو
خدا لعنت کرے اس روسیہ پر　　کہ جس کے دل میں ہو بغض پیمبر
جسے ہو بغض آلِ مصطفےٰ کا　　خدا اس کو کرے دوزخ کا کندا
جسے اصحاب حضرتؐ سے ہو انکار　　رہے ہر دم خدا کی اس پہ پھٹکار
جسے کچھ بغض ہووے اولیاء سے　　ہمیشہ ابر لعنت اس پہ برسے
اب اتنا اور بھی سن رکھیے حضرت　　جو حق پر نا چلے اس پر بھی لعنت
ہمارا کام سمجھانا ہے یارو　　اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

[1] الروض الخضیب من تزکیۃ القلب المنیب" مفید عام اکبر آباد ۱۲۹۸ھ ص ۱۰۹

تو اپنے حال میں کچھ سوچ خرم　　زباں اب بند کر! واللہ اعلم[1]

مولانا خرم علیؒ اولیاء اللہ کے بڑے عقیدتمند تھے، چنانچہ "شفاء العلیل" کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ میری بھول چوک اور کج فہمی کو بہ برکت ارواح طیبۂ اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کے معاف کرے اور ان حضرات کے نور باطنی سے میرے ظلمتکدۂ دل کو نورانی فرمائے، آمین"

اسی طرح آپ کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور بے حد محبت تھی، جس پر ان کے حسب ذیل اشعار شاہد ہیں،

یا رسول اللہ یا خیر البشر　　لیجیے مجھ روسیہ کی اب خبر
خود بدولت کے ترحم کے سوا　　اب کوئی صورت نہیں آتی نظر[2]

اسی طرح تحفۃ الاخیار کے خاتمہ پر ایک نہایت درد بھری نظم لکھی ہے، جس کا آخری شعر یہ ہے:

یا رب اس عاجز کی دعا کر قبول　　خاتمہ بالخیر بحق رسول

شعر و سخن کا ذوق

مولانا کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے اور خرم تخلص کرتے تھے، مگر شعر ان کا مشغلہ نہ تھا، بلکہ جو کچھ لکھتے تھے وہ ضرورت سے مجبور اور حالات سے متاثر ہو کر لکھتے تھے، اسی لیے وہ مقبول بھی ہوتا تھا، البتہ ابتدائی دور کی زبان صاف نہیں اور نہ اس میں چنداں شعریت ہے، مگر قبولیت اس کو بھی حاصل رہی ہے، بعد میں جو نصیحت آمیز نظمیں کہی ہیں، ان کی زبان بہت صاف اور رواں ہے، یہی وجہ ہے کہ انھیں قبول عام

[1] نصیحۃ المسلمین، مطبع احمدی امروجان ص ۴۴ [2] شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل، مطبع درخشانی ۱۸۹۶ء ص ۱۲۶

[3] تحفۃ الاخیار، ترجمہ مشارق الانوار، مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۳۰۰ھ ص ۴۹۴

اور شہرت و دوام حاصل رہا ہے،

تصانیف اور تالیفات | (۱) **نصیحۃ المسلمین** تقطیع خورد، صفحات ۵۲، مطبوعہ ٹائپ کلکتہ،

یہ ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۳ء کی تصنیف ہے۔ اس رسالہ میں شرک و بدعت کی حقیقت اور اس کی قباحت کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں نہایت وضاحت سے سمجھایا گیا ہے، مولف نے وجہ تالیف اور ترتیب رسالہ کو ابتدا میں یوں بیان کیا ہے،

"بعد سب کے سنا چاہیے کہ اب ہندوستان میں عجب ایک بلا پھیل گئی ہے کہ امت محمدی میں بہت لوگ شرک میں گرفتار ہیں، لیکن اکثر مسلمان بیچارے بسبب بے علمی اور ناواقفی کے لاچار ہیں تو اس واسطے بندۂ عاجز خرم علی کے دل میں آیا کہ اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجئے اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کریے[1] تا ہر ایک کو فائدہ عام ہو، جو مسلمان بھائی کہ عربی نہیں جانتے اس کو

---

[1] اس جملہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موصوف نے نصیحۃ المسلمین در اصل اردو ہی میں تصنیف کی ہے،

نصیحۃ المسلمین کا ایک فارسی مخطوطہ اسلامیہ کالج پشاور میں بھی محفوظ ہے جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید موصوف نے یہ کتاب پہلے فارسی میں لکھی ہو اور پھر اس کو اردو کا جامہ پہنایا ہو، لیکن ایسا نہیں کیونکہ اس کا کوئی ثبوت مخطوطہ سے نہیں ملتا، اس کے برخلاف ایسے شواہد موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نصیحۃ المسلمین کے بعد کسی عالم نے اس کو فارسی کا جامہ پہنایا ہے، وہ شواہد حسب ذیل ہیں:

(۱) کتاب کا سرورق موجود نہیں،

(۲) فارسی مخطوطہ میں خرم کا املا واؤ کے ساتھ خورم ہے، ظاہر ہے کہ اگر موصوف کی لکھی ہوئی ہوتی یا آپ ہی کا کیا ہوا ترجمہ ہوتا تو خرم کا املا واؤ معدولہ کے ساتھ نہ ہوتا، کیونکہ موصوف کی تمام تصنیفات اور تالیفات میں خرم کا املا بلا واؤ ہے۔ (باقی حاشیہ ص ۳۳۵ پر)

سمجھکر شرک کی آفت سے بچیں، اور اپنے پیغمبر کی راہ کو اختیار کریں، اور جو لوگ کہ اس کو بھی نہ سمجھیں اور نہ مانیں تو اپنا سر کھاویں، قبر میں آپ ہی معلوم ہوگا، سنہ لکھے، بارے الحمدللہ کہ سنہ ۱۲۳۸ میں یہ رسالہ بن چکا اور اس کا نام "نصیحۃ المسلمین" رکھا اور سب مطلب اس کا پانچ فصلوں میں لکھا"[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) (۳) بعض اشعار کا املا بھی اس طرح لکھا ہے جس سے بعض شعر خارج الوزن ہو جاتے ہیں،

(۴) فارسی مخطوطہ میں سال تصنیف بھی وہ مندرج ہے جو اصل تصنیف کا ہے، یہ بھی اسی امر کی دلیل ہے کہ یہ اردو سے منتقل ہوا ہے،

(۵) یہ بعینہ نصیحۃ المسلمین کا فارسی ترجمہ نہیں ہے، بلکہ مترجم نے مطالب کتاب کو سامنے رکھکر بڑی خوبی سے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے، اس لیے آزاد ترجمہ ہے، لفظی ترجمہ نہیں،

(۶) اردو نظم کا ترجمہ بھی پورا نہیں ہے،

(۷) مخطوطہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مترجم ترجمہ پر نظر ثانی بھی نہیں کر سکے،

(۸) خاتمۃ الکتاب بھی نہیں ہے جس سے سنہ کتابت اور کاتب کا نام معلوم ہو سکتا،

ان شواہد اور مولانا خرم علی بلہوریؒ کے اس جملہ "اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کریے" سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ موصوف نے "نصیحۃ المسلمین" در اصل اردو ہی میں تصنیف فرمائی تھی،

اب ہم فارسی مخطوطہ سے کچھ عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور اس کے سامنے دوسرے کالم میں اردو کی اصل عبارت بھی لکھتے ہیں جس سے ناظرین کو اس امر کا خود اندازہ ہو سکے گا،

(فارسی)	(اردو)
لہذا بندۂ عاجز خورم علی را عزم جزم برین	اس واسطے بندۂ عاجز خرم علی کے دل میں آیا کہ
مصمم شد کہ بدی قباحت شرک را از آیات قرآن مجید	اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجئے

(باقی ص ۳۳۶ پر)

[1] "نصیحۃ المسلمین" مطبع احمدی امرجان ص ۲ و ۳ ع صحیح "خرم" ہے،

یہ کتاب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" کے بعد شرک و بدعت میں سب سے پہلی تصنیف ہے، اس میں وہی باتیں ہیں جو تقویۃ الایمان میں ہیں لیکن مختصر اور مکمل، انداز بیان نہایت متین اور سلجھا ہوا، کتاب کے آخر میں ان ہی مطالب کا خلاصہ نظم میں بھی کر دیا ہے، جس نے اس کتاب کو اور بھی دلکش بنا دیا ہے"

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۵) بوجہ حسن ثابت کنم و زیر ہر آیت ترجمۂ آں را بزبان فارسی صاف صاف بیان نمایم تا ہر مسلمان فارسی خواں فوائد معانی ایں آیات را فہمیدہ الخ......

(سال تصنیف)

یکہزار و دو صد و سی و ہشت

(نظم فارسی)

خدا فرمودہ در قرآن مفسر

بمن محتاج اند پیر و پیغمبر[1]

بغیر از من کسے را نیست طاقت

بر آوردم شمارا ذرہ حاجت

چو خود محتاج باشند دیگرے را

از ایشاں خواستن حاجت چہ معنی

نداندہ و ز غیرش خواستن کام

ہمیں ما شرک شد لے دوستانم

ز قرآں شد ہمیں مضموں محقق

کہ ہرگز می نہ بخشد شرک مطلق

اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کر دیے، تا ہر ایک کو فائدہ عام ہو، اور جو مسلمان بھائی کہ عربی زبان نہیں جانتے اس کو سمجھ کر شرک کی آفت سے بچیں،

الحمد للہ کہ سنہ بارہ سو اڑتیس ہجری میں یہ رسالہ بن چکا،

(نظم اردو)

خدا فرما چکا قرآں کے اندر

مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر

نہیں طاقت سوا میرے کسی میں

کہ کام آئے تمھارے بے بسی میں

جو خود محتاج ہوئے دوسرے کا

بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا؟

خدا سے اور بزرگوں سے بھی کہنا

یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا

خبر قرآں میں ہے یہ محقق

نہ بخشے گا خدا مشرک کو مطلق

(باقی ص ۳۳۷)

[1] یہاں صحیح "پیمبر" ہے [2] یہاں صحیح "باشد" ہے

یہی وجہ ہے کہ بہت مقبول ہوئی، اور بڑی کثرت سے چھپی، پہلے پڑھے لکھے خاندانوں میں اس نظم کا بڑا چرچا رہتا تھا، بڑی بوڑھیاں اس کو بڑے شوق سے پڑھتی تھیں، چنانچہ محی الدین قادری زور لکھتے ہیں: "یہ نظم راقم الحروف کے بچپن میں بہت مقبول تھی، اور اسکی ابیات اکثر بوڑھی خواتین کو یاد تھیں"[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۶) معاذ اللہ کسے را کو نہ بخشد

مقرر در جہنم باش لغزد

اگر ایمان بر قرآن دارید

چرا اندر رو نیاز بیر آرید

شمارا ایں رسوم بد کہ آموخت

محمدؐ کے چراغ شرک افروخت

بلے شیطان سو آل آدم

نشان خود می دہد راہ جہنم

کسے را بت پرستی می نماید

. . . .

غرض ایں ہر دو را از حق جدا کرد

ز راہش بردہ در دوزخ رہا کرد

اب آگے فارسی شعر نہیں ہیں۔

معاذ اللہ جسے اس نے نہ بخشا

مقرر وہ جہنم میں پڑے گا

اگر قرآن کو سچ جانتے ہو

تو پھر تم منتیں کیوں مانتے ہو

تمھیں یہ طور بد کس نے سکھایا

محمدؐ نے کہاں ہے یہ بتایا

ہے شیطاں دشمن اولاد آدم

سکھاتا ہے وہی راہ جہنم

کسی کو بت پرستی ہے سکھاتا

کسی کو ہے وہ قبروں پہ جھکاتا

غرض اللہ سے دونوں کو روکا

بھلا کر راہ جا خندق میں جھونکا

نصیحۃ المسلمین کے ان اشعار کی تضمین مولانا محمد انوار اللہ حیدرآبادی المتوفی ۱۳۳۶ھ[2] نے کی تھی،

[1] تذکرہ اردو مخطوطات، مرتبہ سید محی الدین قادری زور، اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن ۱۹۴۳ء ج ۱ ص ۱۷۹

[2] موصوف کے تذکرہ کے لیے ملاحظہ ہو "دکن میں اردو" مولفہ نصیر الدین ہاشمی مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء ص ۶۰۷

اس نظم کے چند شعر یہ ہیں :

مسلمانوں ذرا سوچو تو دل میں — پھنسے ہو کس طرح تم آبِ گل میں
بہت غفلت میں سوئے اب تو جاگو — خدا کے ہوتے بندوں سے نہ مانگو
وہ مالک ہے سب آگے اس کے لاچار — نہیں ہے کوئی اس کے گھر کا مختار
وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اولیا سے

بقیہ اشعار سابق میں گزر چکے ہیں ،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۷) اور اس کا نام "خدا کی قدرت" رکھا تھا، یہ بظاہر ان اشعار کی شرح معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں مولانا خرم علی کے اشعار کی تردید ہے، چنانچہ مولوی انوار اللہ مرحوم نے اس نظم میں استعانت اولیا، وغیرہ کو جائز قرار دیا ہے، باوجود کوشش وہ نظم ہم کو دستیاب نہ ہو سکی، لیکن اس نظم کی حقیقت اور اس کے مطالب کا خلاصہ اس اعلان سے ہو سکتا ہے جو مفاتیح الاعلام یعنی فہرست افادۃ الانعام کے ساتھ موصوف کی تصنیفات کے تحت نقل کیا گیا ہے، وھو ھذا

"خدا کی قدرت (نظم اردو) صفحات ۸ تقطیع متوسط مطبوعہ مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن، یہ رسالہ تضمین اشعار مولوی خرم علی صاحب مرحوم ہے، جس میں مرحوم نے پردۂ نظم توحید میں حضرت نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے استمداد کی ممانعت اور تحذیر کی تھی، حضرت مولانا ممدوح نے ان ہی اشعار کی تضمین و تطبیق کے لحاظ سے جواز استمداد کا ثبوت دیا ہے اگر بظاہر مرحوم کے اشعار کی شرح ہے لیکن باطن میں منکرین استمداد کا جواب مدلل ہے، جو مفید دکارآمد اہل سنت وجماعت ہے"[1]

حکیم عبد الودود دنیری نے مولانا خرم علی کی اس نظم پر مسدس کہا جس میں ان ہی اشعار کی

[1] مفاتیح الاعلام مطبوعہ محمود پریس حیدرآباد دکن ۱۳۴۵ھ ،

نصیحۃ المسلمین" ہی وہ کتاب ہے جس نے موصوف کو اردو لکھنے والوں میں بڑا ممتاز مقام عطا کیا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ سید صاحبؒ کے خلفاء نے جہاں اسلام کی صحیح ترجمانی کی وہاں انھوں نے اردو زبان کو بھی بڑی ترقی دی، چنانچہ غدر سے پیشتر عام طور پر فارسی لکھنے کا رواج تھا، ان بندگان خدا نے اسلام کی ترجمانی کے لیے جو زبان اختیار کی وہ اردو تھی، وہ اردو ہی میں وعظ کہتے اور اسی میں مذہبی عنوانات پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھتے تھے، اور روزمرہ کی نہایت سادہ زبان استعمال کرتے تھے، گو یہ زبان پرانے طرز کی ہے، مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۷) شرح لکھی ہے، اور درپردہ مولانا انوار اللہ مرحوم کے اشعار کا جواب لکھا ہے، یہ نظم جو در اصل جواب الجواب ہے، ہم کو دستیاب ہو گئی ہے، لیکن طویل زیادہ ہے اس لیے قلم انداز کی جاتی ہے،

نصیحۃ المسلمین اپنے ابتدائی دور ہی میں اتنی مقبول ہو گئی تھی کہ سید احمد شہیدؒ کے کسی غیر مقلد بنگالی مرید نے اردو میں اس کا رد لکھا، اور اس کا نام "تنبیہ المضلین" رکھا، یہ کتاب نثر میں ہے، مگر ابتدا میں حمد و نعت نظم میں ہے، اور خاتمہ بھی ایک نظم پر ہے، اس کتاب کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، چنانچہ بلوم ہارٹ کا بیان ہے،

"تنبیہ المضلین" اس کا آغاز یوں ہے)

فصل اول حمد اور (۲) نعت اور (۳) سبب تصنیف کتاب کا،

معلم اور عالم تو ہے یارب — جہاں میں ہر سکھایا تیرے سب[1]
ڈولائے بے تیرے تنکا نہ ڈولے — بلائے بن تیرے کوئی نہ بولے[2]
زبان کو خاک سے تو نے بنایا — پھر اس کو بات کرنا بھی سکھایا

[1] مصرعۂ ثانی یوں ہونا چاہیے : جہاں میں ہے سکھایا تو نے ہی سب [2] یہ شعر یوں ہونا چاہیے ،

ڈولائے بن ترے تنکا نہ ڈولے — بلائے بن ترے کوئی نہ بولے

احکامات الٰہی کے لیے جتنی سادہ اور سہل زبان لکھی جا سکتی تھی، ان بزرگوں نے لکھی، بلکہ بعض کی زبان تو ایسی صاف و سادہ ہے جو آج بھی سہل ممتنع سے کم نہیں، ان اردو لکھنے والوں میں مولانا خرم علی کا نام بھی بہت ممتاز ہے، اور اس حقیقت کا اعتراف اردو زبان کے تاریخ نگاروں کو بھی کرنا پڑا ہے، رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو میں لکھتے ہیں:

"مولوی اسماعیل صاحب کا مشہور رسالہ تقویۃ الایمان اور نیز دیگر مریدان مولوی سید احمد کی تصانیف مثلاً ترغیب جہاد، ہدایت المومنین

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) اس رسالہ کا مصنف مذہبی مصلح سید احمد بریلوی کا پیرو ہے، جو شاہ عبد العزیز دہلوی کے مرید اور شاگرد تھے، اس میں اس نے وہابی نظریہ کی تائید کی ہے کہ (بغیر مجتہدین کی تقلید کے) ہر شخص کو قرآن سے استنباط مسائل میں اجتہاد کا حق حاصل ہے، اور نیز یہ کتاب مولوی خرم علی بلہوری کی تصنیف نصیحۃ المسلمین (۱۲۳۰ھ / ۱۸۲۴ء) کا جواب ہے"

یہ کتاب نثر میں ہے، جس کے شروع میں حمد باری تعالیٰ میں ایک نظم ہے، اور اس کا خاتمہ بھی ایک نظم پر ہے، مصنف نے اپنے دلائل اور براہین کی تائید میں نصوص قرآنی پیش کی ہیں جو خط نسخ میں لکھی ہوئی ہیں، اور خاتمہ پر یہ شعر ہیں:

نہ جاؤں گا کبھی اب مدرسہ میں ۔۔۔ نہ شیطان کے پڑوں گا وسوسہ میں
گذشتہ سب گناہ اب معاف کر تو ۔۔۔ دے اس عجز پہ الطاف کر تو[۱][۲]

"تنبیہ الغافلین" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بنگال کے اندر اردو عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔

[۱] مصرعۂ ثانی یوں ہونا چاہیے: دے اس عجز پہ الطاف کر تو۔
[۲] کیٹلاگ آف ہندوستانی مینسکرپٹ مطبوعہ لندن ص ۷

نصیحۃ المومنین[۱]، موضح الکبائر والبدعات، مائۃ مسائل وغیرہ، یہ سب اسی زمانہ کی کتابیں ہیں جو دراصل اشاعت دین کی غرض سے لکھی گئی تھیں، جن سے زبان اردو کو بھی ضرور تقویت پہنچی"[۲]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"ایک بہت بڑی تحریک جو ہر چند ادبی نوعیت نہیں رکھتی، مگر اس سے بلاشبہ نثر اردو کو بہت فائدہ پہنچا، اور اس کی تقویت کا باعث ہوئی .... اشاعت مذہب اہلسنت کی صورت میں رونما ہوئی جس کی وجہ سے تبلیغ دین کی غرض سے مختلف کتب و رسائل عوام الناس کے فائدے کے واسطے صاف اور سہل زبان میں لکھے گئے"[۳]

[۱] اس کتاب کا صحیح نام نصیحۃ المسلمین ہے، نصیحۃ المومنین نہیں، رام بابو سکسینہ اور بعد کے مصنفین کا نصیحۃ المومنین لکھنا لغزش قلم ہے،

بلوم ہارٹ (Blumhart) نے (کیٹلاگ آف ہندوستانی مینسکرپٹ مطبوعہ لندن ۱۹۲۶ء ص ۸۳ میں) اگرچہ نصیحۃ المومنین کا نام علحدہ بھی لکھا ہے، اور اس کا ایک مخطوطہ بھی انڈیا آفس میں موجود ہے، مگر یہ کوئی مستقل اور جداگانہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ کاتب نے نصیحۃ المسلمین کی آخری نظم ہی کو نصیحۃ المومنین کا نام دیدیا ہے، چنانچہ بلوم ہارٹ لکھتا ہے:

"نصیحۃ المومنین" یہ شرک اور بے دینی کے خلاف ایک نظم ہے، یہ نظم اور مثنوی مولوی خرم علی بلہوری کی ہے، اور ان ہی کی کتاب "نصیحۃ المسلمین" جو ۱۲۳۰ھ کی تصنیف ہے۔ سے ماخوذ ہے،

اور اس کا پہلا شعر یہ ہے: خدا فرما چکا قرآن کے اندر ۔۔۔ مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
اور آخری شعر یہ ہے: تو اپنے حال میں کچھ سوچ خرم ۔۔۔ زباں اب بند کر واللہ اعلم

[۲] تاریخ ادب اردو ترجمہ مرزا محمد عسکری، طبع سوم نولکشور، حصہ نثر باب ۱۵ ص ۲۰۵
[۳] ایضاً ملاحظہ ہو کتاب مذکور، ص ۲۴

رسالہ نصیحۃ المسلمین کی زبان اگرچہ سادہ ہے، لیکن جملوں کی ساخت اور انداز بیان میں قدامت ہے،[1]

بلوم ہارٹ کا بیان ہے:

"یہ کتاب سب سے پہلے ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں کلکتہ سے چھپی، اور پھر اس کے دوسرے ایڈیشن دہلی، مدراس اور میرٹھ سے شائع ہوئے ہیں۔"[2]

لکھنؤ میں بھی متعدد بار چھپی ہے، چنانچہ مطبع مصطفائی سے بھی ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء میں متوسط تقطیع پر چھپی ہے، اس نسخہ پر سلطان المطابع کی مہر بھی ہے، یہ نسخہ کپتان مقبول الدولہ بہادر محمد مہدی علی خاں کی نگرانی میں نہایت آب و تاب سے شائع ہوا تھا، صحت کے لحاظ سے بے نظیر ہے، ایک نسخہ مطبع احمدی امو جان کا طبع شدہ میرے والد منشی محمد عبد الرحیم خاطر جے پوری کے پاس تھا، جو اب راقم السطور کے پاس ہے، یہ بھی بہت صحیح نسخہ ہے، نصیحۃ المسلمین ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء میں مطبع مصطفائی کانپور سے چھپی تھی، اس کے بعد پھر متعدد مطابع سے شائع ہوتی رہی ہے، (باقی)

---

[1] راقم نے اس رسالہ کی زبان کو ذرا بدل کر جدید انداز میں ڈھال دیا ہے، کتاب میں ذیلی عنوانات قائم کیے، تلمیحات پر مختصر نوٹ لکھے ہیں، اور تشریح طلب امور کی وضاحت کی ہے، جس سے اس کی افادیت اور بڑھ گئی ہے، انشاء اللہ عنقریب اصح المطابع، کارخانہ تجارت کتب، کراچی کی طرف سے شائع ہو جائے گی،

[2] کیٹلاگ آف ہندوستانی مینسکرپٹ (فہرست مخطوطات اردو برٹش میوزیم) طبع لندن ۱۹۲۶ء ص ۱۰

کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے؟

(کیا کتاب سنت، فقہ اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟)

از جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

جن اسلامی ملکوں میں مکمل اسلامی دستور کو دوبارہ نافذ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، وہاں پڑھے لکھے مسلمانوں کے ایک حلقہ کے سامنے یہ سوال بڑی سنجیدگی سے درپیش ہے کہ جن سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل میں کتاب و سنت کی صریح ہدایات موجود ہیں، ان کو من وعن تسلیم کر لیا جائے، یا مصالح و حالات کے اعتبار سے ان میں ترمیم، اضافہ یا تخصیص پیدا کی جائے،

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ یہ کہتا ہے کہ کتاب و سنت کے تمام احکام ابدی اور دائمی ہیں، ان میں کسی ترمیم و اضافہ کی قطعی گنجائش نہیں ہے، اسلامی دستور کے نفاذ کے معنی یہ ہیں کہ اسلام نے عقائد، عبادات اور اخلاق کی طرح سیاست، معاشرت اور معاشیات کے سلسلہ میں حرام و حلال کی جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان سے باہر قدم نہ نکالا جائے[1] اگر حالات ان حدود کا ساتھ نہ دیں تو اسلامی احکام کو حالات کے موافق بنانے کی بجائے خود حالات و ماحول کو ان کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے، کیونکہ اگر ان میں ترمیم و اضافہ کر دیا جائے تو

---

[1] اصل سوال ان ہی شعبوں کے بارے میں ہے، ورنہ اسلامی عقائد و عبادات اور اخلاق کے بارے میں تبدیلی کا کوئی سوال سنجیدہ طبقہ میں نہیں ہے، جو لوگ ان شعبوں میں بھی تبدیلی کے خواہاں ہیں ان کو سرے سے اسلام ہی سے دشمنی ہے،

اسلامی دستور کے مکمل اور دائمی ہونے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، اور جہاں بالکل مجبوری پیش
آجائے یا جن مسائل میں صراحۃً کوئی ہدایت موجود نہ ہو وہاں کتاب وسنت کے اصولی احکام
میں استنباط و اجتہاد کیا جائے، استنباط و اجتہاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کتاب وسنت کے اصولی
احکام کو پس پشت ڈال دیا جائے، اور ان کے صریح احکام کے منشا کے خلاف کوئی ترمیم یا اضافہ
کیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی احکام میں جو لچک اور وسعت موجود ہے اس سے فائدہ
اٹھا کر پیش آمدہ مسائل کی دشواری کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے،

اس کے بخلاف تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا طبقہ جس میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ اور
کچھ روشن خیال علما شامل ہیں، یہ کہتا ہے کہ اسلام نے سیاست، معیشت اور معاشرت میں جو حدیں
مقرر کی ہیں، ان کو حالات اور ماحول کے تقاضے کے تحت بدلا اور توڑا جا سکتا ہے، اس لیے کہ
سیاست، معیشت اور معاشرت کے مسائل میں ہمیشہ ارتقا ہوتا رہتا ہے، اس لیے اس ارتقاء
کا ساتھ دینا ضروری ہے، ورنہ اسلامی ممالک معاشی، معاشرتی اور سیاسی بدحالی میں مبتلا ہو جائینگے،
اور ظاہر ہے کہ یہ بات اسلامی دستور کی روح کے منافی ہے،

اس حلقہ میں کچھ لوگ تو واقعی اخلاص سے یہی رائے رکھتے ہیں، مگر ان میں بیشتر یا تو مغربی
نظام کی مرعوبیت کی بنا پر ایسا کہتے ہیں، یا پھر اپنی کم علمی اور آزادروی کی وجہ سے ایسا چاہتے ہیں،
یہ حلقہ اپنی رائے کو مدلل بنانے اور قوی ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث اور فقہ کی
کتابوں سے کچھ دلائل بھی پیش کرتا ہے، اور ... مزید وزنی بنانے کے لیے خلفائے راشدینؓ
کے ان فیصلوں کو پیش کرتا ہے جو بظاہر کتاب وسنت کے احکام کے خلاف نظر آتے ہیں،
مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خمس میں اہل بیت کو مقررہ حصہ نہیں دیا، یا فدک کی جائداد
اہل بیتؓ کے سپرد نہیں کی، حالانکہ عہد نبوی میں یہ دونوں چیزیں ان کے لیے مخصوص تھیں،

یا حضرت عمرؓ کے مشورہ سے حضرت صدیقؓ نے مؤلفۃ القلوب کی امداد بند کر دی، جو ان کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ملتی تھی، اور جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے، یا حضرت عمرؓ نے قطع ید
کا حکم منسوخ کر دیا یا ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا یا امہات اولاد کی خرید
فروخت بند کر دی، یا سواد عراق کی زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے ... رفاہ عام کے
لیے مخصوص کر دی، یا شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کی، وغیرہ وغیرہ،

اس بات میں تو مسلمانوں کے کسی گروہ کو اختلاف نہیں ہے کہ موجودہ دور میں جس
ملک میں بھی اسلامی دستور نافذ ہوگا وہاں نظام سیاست و معیشت کا ڈھانچہ بدل دینے
کے بعد بھی کچھ ایسے معاشی اور تمدنی مسائل ضرور باقی رہیں گے جنکو فوراً بدل دینے میں یا تو نظام
حکومت میں خلل پڑے گا، یا کم از کم ان کے بدلنے میں دیر لگے گی، ظاہر ہے کہ ان میں جو صورت
بھی ہوگی ان مسائل میں اسلامی دستور کے نافذین کو اجتہاد سے کام لینا پڑے گا، اسی طرح
موجودہ نظام جمہوریت میں بہت سے معاشی مسائل کا جو حل سوچا گیا ہے، اور جس پر عمل درآمد
بھی ہو رہا ہے، ان میں اگر تھوڑی سی تبدیلی کر کے ان کو حلال و حرام کی قید کا پابند کر دیا جائے
تو اسلامی نظام معیشت کے موافق بنایا جا سکتا ہے، مثال کے طور پر جمہوری ملکوں کے مزدوروں
کے حقوق و تحفظ کے قانون میں اگر تھوڑی سی تبدیلی کر دی جائے تو ان کو اسلامی قانون اجرت
کے مطابق بنایا جا سکتا ہے، لیکن سودی تجارت، فارن ایکسچینج، بینکنگ وغیرہ اور اس سے بڑھکر
انفرادی اور اجتماعی آزادی کے سلسلہ میں حکومت کے دائرۂ اختیار کی تعیین میں بھی اجتہاد کی ضرورت
ضرور پیش آئے گی،

مثال کے طور پر موجودہ دور میں رسل و رسائل کے سارے ذرائع حکومت کے ہاتھ میں
ہوتے ہیں، خواہ وہ حکومت جمہوری ہو یا اشتراکی یا شخصی، اب اگر کہیں اسلامی دستور نافذ

ہوتا ہے تو اسلامی حکومت کو اس پر غور کرنا ہوگا کہ .... اسلامی تشریحات ، اور عہد نبوی اور عہد صحابہ کے تعامل کے پیش نظر اصل ذرائع کو افراد کے ہاتھوں میں دے دیا جائے یا .... اجتماعی مفاد کے پیش نظر ان کو حکومت کے اختیار ہی میں رہنے دیا جائے ، اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ امریکہ میں ابھی پچھلے سال بس ٹرانسپورٹ کا جتنا حصہ حکومت کے اختیار میں تھا، وہ بھی انفرادی ملکیت میں دے دیا گیا ہے، اور ہر سال اس طرح کچھ نہ کچھ چیزیں حکومت کے ہاتھوں سے نکال کر انفرادی ملکیت میں دیدی جاتی ہیں، چنانچہ امریکہ کی تمام بڑی بڑی صنعتیں حکومت کے بجائے افراد کے ہاتھ میں ہیں ،

میرے خیال میں اس بارے میں پہلے گروہ کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہوگا، کہ بنیادی ضروریات پیدا کرنے والے ذرائع اور حاملین کو کم از کم موجودہ حالت میں کچھ دنوں تک حکومت کے قانونی ہاتھوں ہی میں رہنا چاہیے، جس کی گنجائش کتاب و سنت میں موجود ہے، اصل اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ موجودہ نظام میں جو چیزیں صراحۃً اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں، مثلاً موجودہ تجارت میں سود، سٹے بازی، ذخیرہ اندوزی، مستقبل کے سودے، یا سودی بینکنگ وغیرہ، یا سیاسی مسائل میں طریقۂ انتخاب، عورتوں اور غیر مسلموں کی نظام حکومت میں شرکت، یا معاشرتی مسائل میں نکاح و طلاق کے سلسلہ میں حکومت کی مداخلت وغیرہ، یہ اور اس طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو جوں کا توں باقی رہنے دیا جائے اور جو اسلامی احکام ان کے خلاف پڑتے ہیں، ان میں تبدیلی کر دی جائے، یا یہ کہ ان مسائل کی صورت ہی کو آہستہ آہستہ بدلنے کی کوشش کی جائے، اور جہاں غیر معمولی حرج واقع ہوتا ہو، ان کو جس حد تک ممکن ہو اسلامی روح سے قریب لا کر کچھ دنوں تک اسی حال پر چھوڑ دیا جائے، اور جب تجربہ سے یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کو اسلامی روح کے بالکل مطابق کر دینے میں معاشی یا معاشرتی فساد رونما ہونے کے بجائے

صلاح پیدا ہوگی، تو پھر ان کو بدل دیا جائے ورنہ جوں کا توں رہنے دیا جائے ،

مثال کے طور پر یہ مسئلہ کہ ایک مرد بیک وقت متعدد عورتوں کو اپنے حبالۂ عقد میں لا سکتا ہے یا نہیں، یا عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش اسمبلیوں میں نمایندگی دیجائے یا نہیں ؟ اس بارے میں دوسرا گروہ تو یہ کہتا ہے کہ قانوناً ایک مرد کو بیک وقت دو یا اس سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع قرار دیا جائے، اسی طرح بغیر کسی قید کے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی آبادی کے تناسب سے دستور ساز اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں میں نمایندگی دیجائے، کیونکہ مصلحت اور موجودہ تمدن کا یہی اقتضا ہے، اس کے برخلاف پہلا گروہ یہ کہتا ہے کہ اس بارے میں اسلامی احکام کو پس پشت ڈالنے اور اس میں بے وجہ اجتہاد کرنے اور نئا قانون بنانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے، اس کے بغیر نہ تو معاشرت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور نہ سیاست میں، بلکہ جن ممالک میں عورتوں کو نمایندگی دی گئی ہے اور شادی پر پابندی لگائی گئی ہے، ان ممالک میں جنسی جرائم اور معاشرتی تباہ حالی کے واقعات اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ خود وہاں کی حکومتیں اب اپنے معاشرتی قانون پر نظرِ ثانی کر رہی ہیں، خود پاکستان میں جس کثرت سے جنسی جرائم ہو رہے ہیں، ان کے پیش نظر یہ اقدام اس کی معاشرت کو اور زیادہ تباہ کر کے رکھ دے گا ،

اجتہاد | جو لوگ اسلامی احکام میں اپنی خواہش یا موجودہ تمدن سے مرعوبیت کی بنا پر تبدیلی کرنا چاہتے ہیں، وہ اجتہاد کی ایک نئی تعریف کرتے ہیں، پاکستان میں عائلی کمیشن نے جو اپنی رپورٹ پیش کی تھی، اس میں اجتہاد کی یہ تعریف کی ہے :

" لفظ اجتہاد کے معنی کوشش کرنے کے ہیں اور اسلامی قانون کی اصطلاح میں اس کا مفہوم کسی قانونی مسئلہ پر آزادانہ رائے قائم کرنا ہے ۔"

پھر آگے اجماع پر خط نسخ پھیرتے ہوئے ارکان کمیشن تحریر فرماتے ہیں :

"جس طرح سائنس میں ہے، اسی طرح قانون کی تاریخ میں بھی یہ بات ہے کہ بعض اوقات کسی خاص دور کے تمام مجتہدین کا کسی بات پر اجماع اس کی صحت اور صداقت کی کوئی ضمانت نہیں ہے"۔

اگر حضرات اسلامی شریعت کی اصطلاح اجتہاد اور اجماع وغیرہ کا نام لیے بغیر ایک نئے اجتہاد و اجماع کی تعریف کرتے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن جب یہ اسلام کا ٹھپہ لگا کر کوئی غیر اسلامی چیز عوام کے سامنے لاتے ہیں تو ہم کو کچھ نہ کچھ بولنا ہی پڑتا ہے، کیونکہ یہ اسلام کی معنوی تحریف ہے۔

ایک طرف اجتہاد کی یہ نئی اسلامی تعریف ملاحظہ کیجئے، دوسری طرف اسلامی قانون کے ماہرین کی تعریف ملاحظہ کیجئے، آمدی الاحکام میں لکھتے ہیں:

لفظ اجتہاد مخصوص ہے اس انتہائی کوشش کے لیے جو کسی امر شرعی کے بارے میں یہ گمان حاصل کرنے کے لیے صرف کی جائے کہ یہ شرع کے موافق ہے۔ (ج ۴ ص ۱۴۱)

دونوں کی تعریفیں ملاحظہ کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا آزادانہ رائے قائم کرنے کا نام اجتہاد ہے، یا شریعت کی موافقت کا، اسی بنا پر بعض فقہا نے قیاس و اجتہاد کے بارے میں یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ ماخذ شریعت نہیں ہے، بلکہ ماخذ شریعت تو کتاب و سنت ہیں، یہ محض مظہر ہے، نور الانوار کے مصنف لکھتے ہیں

هو ابانه فاختير لفظ الابانه — قیاس و اجتہاد اظہار حقیقت کا نام ہے

و القياس مظهر لا مثبت — یہ لفظ قصداً اس لیے استعمال کیا گیا ہے تاکہ

(ص ۱۹۰) — یہ بات واضح ہو جائے کہ قیاس مظہر ہے مثبت نہیں ہے۔

ان تعریفوں کو بھی جانے دیجئے، خود قرآن کی تصریحات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور خلفائے راشدین کے ان فیصلوں پر ایک نظر ڈالیے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اجتہاد و اسلامی احکام

میں آزادانہ رائے قائم کرنے اور ان میں تبدیلی کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ پیش آمدہ مسائل کو کتاب و سنت کے مہیا پر پیش کرنے اور ان کو منشا کے مطابق بنانے کے ہیں، قرآن نے تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ منصب نہیں عطا کیا ہے کہ آپ کسی امر خداوندی میں تبدیلی کریں۔

فاحكم بينهم بما انزل الله — ان کے معاملات کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق

ولا تتبع اهواءهم عما جاءك — کرو اور ان کی خواہش کا اتباع اس حق سے

من الحق (مائدہ) — ہٹ کر نہ کرو جو تمہارے پاس آیا ہے۔

یہ حکم قرآن میں بار بار دیا گیا ہے، چنانچہ اس آیت کو ختم کر کے دوسری آیت کی ابتدا اسی حکم سے کی گئی ہے۔

آپ نے کسی وجہ سے شہد اپنے اوپر حرام کر لی تھی جس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

يا ايها النبي لم تحرم ما احل — اے نبی وہ چیز تم حرام کیوں کرتے ہو

الله لك — جس کو تمہارے لیے خدا نے حلال کیا ہے۔

اس کے بجائے خدا نے آپ کا یہ منصب مقرر فرمایا ہے۔

وانزلنا اليك الذكر لتبين — ہم نے قرآن اس لیے نازل کیا کہ تم

للناس (نحل) — لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کر دو۔

یعنی خدا نے آپ کو یہ منصب دیا ہے کہ آپ خدا کے منشا کی تشریح و تفسیر کریں، اب آپ جو تشریح و تفسیر کریں گے، وہ امت کے لیے قابل اتباع ہوگی، آپ کی تشریح و تفسیر کے مقابلہ میں امت کے کسی فرد کی تشریح و تفسیر کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، چنانچہ امت کے افراد کو یہ حکم دیا گیا کہ

ما اتاكم الرسول فخذوه وما — رسول تم کو جو حکم دیں ان پر عمل کرو اور

نھاکم عنہ فانتھوا (حشر) — جن باتوں سے روک دیں رک جاؤ،

کتاب اللہ کے منشا کے سلسلہ میں آپ نے جو قولی یا عملی تفسیر و توضیح کی ہے یا اس کی روشنی میں جو فیصلے کیے ہیں، امت کو اپنے اجتماعی معاملات میں ان کو بھی ماخذ و منبع قرار دینا ضروری ہے، اگر اہل ایمان نے اجتماعی معاملات میں ان کو ماخذ اور منبع نہ بنایا تو یہ بات انکے ایمان کے منافی ہوگی،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى	تمھارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ	مومن نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑے
لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا	میں آپ کو حکم نہ بنالیں اور آپ جو فیصلہ
مِمَّا قَضَيْتَ (نساء)	کریں اسکے بارے میں اپنے دل میں کوئی تنگی

قرآن کی ان ہی تشریحات کی روشنی میں امت مسلمہ نے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کو بھی ماخذ و منبع احکام قرار دیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم امراء کو جب اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں بھیجتے تھے تو ان سے یہ دریافت کرتے تھے کہ لوگوں کے اجتماعی معاملات کے فیصلے کیسے کروگے، چنانچہ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جب میں یمن جانے لگا تو آپ نے یہ سوال کیا، میں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، پھر آپ نے پوچھا کہ اگر کوئی حکم کتاب اللہ میں نہ ملے تو جواب دیا کہ . . . . سنت رسول اللہ میں تلاش کروں گا، پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ ملے، تو کہا کہ پھر میں اجتہاد کروں گا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ رسول کے قاصد نے حق پالیا،

خلفائے راشدین کے چند فیصلوں کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، ان کے فیصلے اور اقوال آگے نقل کیے جائیں گے جن سے معلوم ہوگا کہ ان کے اجتہاد کا دائرہ کہاں سے شروع ہوتا تھا، یہاں ہم حضرت عمرؓ کا وہ فرمان نقل کرتے ہیں جو انھوں نے

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھیجا تھا جس سے فقہا نے سیکڑوں مسئلے مستنبط کیے ہیں، آپ نے ان کو بہت سی باتوں کے ساتھ یہ ہدایت بھی کی تھی کہ

"جو مسائل ایسے پیش آئیں جن کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے نہ معلوم ہو، ان میں بڑی سمجھداری سے کام لینا، اور جو امور پہلے سے ثابت شدہ ہیں، ان پر ان نئے مسائل کو پیش کرنا اور ان کے امثال و نظائر کو سامنے رکھنا پھر جب کسی نتیجہ پر پہنچ جاؤ تو فیصلہ دیتے وقت یہ بات ذہن میں تازہ رکھنا کہ وہی فیصلہ کرنا جو خدا کو پسند اور حق کے قریب ہو"

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ "اسلامی قانون کی اصطلاح میں آزادانہ رائے قائم کرنے کا نام اجتہاد ہے"

مصلحت ان ہی سے بعض لوگ تمدنی ضروریات اور زمانہ کی مصلحتوں کو بھی آڑ بنا کر اسلامی احکام میں تبدیلی کرنے کا وعظ کہتے ہیں، لیکن ان کو معلوم نہیں کہ اسلام میں مصلحت اور ضرورت کے بھی حدود مقرر ہیں، ہر کس و ناکس کی ضرورت اور ہر تمدنی مصلحت کی بنا پر ان میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی، البتہ اگر کسی ملک کے باشندوں کی اکثریت کو کسی اسلامی حکم پر عمل کرنے میں جان و مال کا نقصان ہوتا ہو تو یقیناً اس اسلامی حکم میں تخصیص کی جاسکتی ہے، مگر تبدیلی نہیں،

امام شاطبیؒ نے ایسے ہی لوگوں کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے

وان مصالح انما اعتبرت من	مصلحتیں وہی معتبر ہیں جو ان مقاصد کو
حیث وضعھا الشارع کذالک	پورا کرتی ہوں جن کے لیے شارع نے
لا من حیث ادراک المکلف	ان کو رکھا ہے نہ یہ کہ ہر شخص کی مصلحت،

اب اگر کسی فرد یا حکومت کی مصلحت متقاضی ہو کہ وہ سود کھائے اور زنا کو رواج دے، سٹے بازی

اور جوٹ کو فروغ دے تو شریعت میں اس کی اجازت کسی وقت بھی نہیں دی جاسکتی ...

. . . .

حال ہی میں ایک مصری عالم ڈاکٹر صبحی محمصانی کی کتاب تاریخ الفلسفۃ التشریعیۃ الاسلامیۃ چھپ کر آئی ہے جس کا اردو ترجمہ بھی لاہور سے شائع ہوگیا ہے، وہ اگرچہ عالمانہ کتاب ہے، اور محنت اور دیدہ ریزی سے لکھی گئی ہے، اسکے باوجود اس کتاب میں ان لوگوں کے لیے اچھا خاصا مواد ہے جو بے آزادانہ اجتہاد کے ذریعہ اسلامی احکام پر خط نسخ پھیرنا چاہتے ہیں، خاص طور پر اولیاتِ عمر پر جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ ان لوگوں کے لیے بڑا قیمتی مواد ہے،

اسی طرح پاکستان میں اہل قرآن حضرات اور ادارۂ ثقافت کے فضلاء برابر ایسی کتابیں اور مضامین شائع کر رہے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات جدید مجتہدین کی خواہشات کی تکمیل کے لیے علمی دلائل اور نقلی ثبوت فراہم کر رہے ہیں، چنانچہ حال ہی میں مولانا حنیف صاحب ندوی نے ایک کتاب "اجتہاد" لکھی ہے جس میں ان ہی باتوں کا اعادہ کیا گیا ہے، جو ڈاکٹر محمصانی نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں، اسی طرح مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواری نے ثقافت (جنوری ۵۸ء) میں "فقہ جدید کی ضرورت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے، اس میں بھی ان ہی دلائل کا اعادہ کیا ہے، اور اولیاتِ عمر کے ساتھ چند اور مسائل کو بھی خلفائے راشدین کی طرف منسوب کر کے بڑی وضاحت سے یہ فرمایا ہے کہ "اسلامی احکام میں ہمیشہ تبدیلی ہوئی ہے اور آئندہ بھی ہوگی"

مولانا حنیف صاحب نے شروع میں اسلامی ماخذ کی تشریح کی ہے، اور کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کی تشریح کے سلسلہ میں بڑی حد تک اعتدال قائم رکھا ہے لیکن اجتہاد کی تشریح میں موصوف کو قلم پر قابو نہیں رہا ہے، ایک طرف وہ فقہا کی "ترخیت پسندی" پر

برسے ہیں، اور اس کے خطرناک نتائج سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا ہے، دوسری طرف یہ قیمتی مشورہ بھی امت کو دیا ہے کہ تمام اسلامی احکام کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا چاہیے ایک تعبدی، دوسرا غیر تعبدی، یا ایک بنیادی، دوسرا اخروی، پھر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ تمام اسلامی احکام کی بنیاد دو ستونوں پر ہے، ایک "عدل" اور ایک "احسان" اس لیے ان ہی ستونوں پر تمام اسلامی احکام کی بنیاد رکھی جائے، چنانچہ زمین کے تمام معاملات مثلاً مزارعت، مساقات وغیرہ کو غیر تعبدی یا خالص دنیاوی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلعم نے اگر بٹائی وغیرہ سے متعلق بعض ہدایات دی ہیں، تو اس سے اس بات پر استدلال کرنا کہ اسلام کے نزدیک اصلی چیز ملکیت ہے، قطعاً غلط اور غیر حکیمانہ استدلال ہے، غور فرمائیے کہ اسلام کو اس سے آخر کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، کہ معاشرۂ انسانی نے وقت کی سیاسی و اقتصادی مجبوریوں کی بنا پر ملکیت کا کیا تصور قائم کیا ہے، اور کن شرائط کے تحت جائز قرار دیا ہے" (ص ۱۸۳)

گویا مولانا کے نزدیک زمین سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات ہیں، یا آپ کا خود زمین کے سلسلہ میں جو تعامل رہا ہے، اس کا تعلق نہ تو اسلام کے بنیادی مسائل سے ہے اور نہ ملکیت سے، بلکہ یہ غیر تعبدی مسئلہ ہے، اس میں جو تصور آدمی چاہے قائم کر لے، اور جو چاہے عمل کرے، لیکن عرض یہ ہے کہ اگر زمین کی ملکیت اسلام کا کوئی بنیادی مسئلہ نہیں ہے تو پھر قرآن نے جو یہ حکم دیا ہے کہ زمین کی پیداوار سے خدا کی راہ میں خرچ کرو، اور اس کا حق دے دو تو اس کے کیا معنی ہوں گے، جب ملکیت ہی نہ ہوگی تو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں گے، اور کونسا حق دیں گے،

وانفقوا من طیبات ما کسبتم — اور خرچ کرو اپنی اچھی کمائی سے اور

ومما اخرجنا لکم من الارض (البقرۃ)	جو ہم نے زمین سے تمھیں عطا کیا ہے،
کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ	ان کی پیداوار کھاؤ اور اس کا حق کٹنے
یوم حصادہ (انعام)	کے وقت دے دو،

ان جملوں سے پہلے ہر طرح کی زمینی پیداوار کا ذکر کرکے یہ حکم دیا گیا ہے،

پھر قرآن و حدیث میں وراثت کے مسئلہ کی جو اتنی لمبی تفصیل کی گئی ہے تو کیا یہ وراثت کی تقسیم بغیر ملکیت کے بھی ممکن ہے، مولانا کے مشورہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو تو غیر تعبدی یا دنیادی مشورہ قرار دیا جائے، لیکن قرآن کے ان صریح احکام کے بارے میں وہ کیا فرمائیں گے، فقہائے امت نے ان احکام کی روشنی میں جو ہزاروں مسئلے ملکیت کے سلسلہ میں مستنبط کیے ہیں، ان سب کو کیا دریا برد کر دیا جائے، مولانا کے ارشاد کے مطابق محض عبادات میں، روزہ اور نماز تو تعبدی قرار پا سکتے ہیں، لیکن اس کے علاوہ زکوٰۃ اور حج وغیرہ حکومت کی مرضی پر ہوگا جب وہ چاہے ان کو ادا کرا دے اور جب چاہے ان سے روک دے،

پھر اس سلسلہ میں خلفائے راشدین اور خاص طور پر حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کو جو انھوں نے سواد عراق کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا پیش کیا جاتا ہے، اگر یہ حضرات اس کے ما لہٗ و ما علیہ پر غور کرتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ یہ مسئلہ اسقاط ملکیت کی دلیل نہیں بلکہ اثبات ملکیت کی دلیل ہے، حضرت عمرؓ اگر اس مسئلہ کو بنیادی نہ سمجھتے تو پھر ان کو ...... پوری زمین فوراً بحق سرکار ضبط کر لینا چاہیے تھا، تمام فوجیوں سے مشورہ کرنے، ان سے اجازت لینے، صحابہ کے سامنے بہت سے سیاسی اور ملی مصالح کو پیش کرنے، اور نہ مطمئن ہونے والوں کو قرآن سے دلیل دینے کی ضرورت نہ پیش آتی، اس مسئلہ کی پوری تحقیق آگے آ رہی ہے،

مولانا نے فقہ کی جس تعبدی اور غیر تعبدی اصطلاح سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے،

وہ ان ہی فقہا کی وضع کردہ ہے جن کی "حرفیت پسندی" سے ان کو چڑھ ہے، مگر تعبدی و غیر تعبدی کی اصطلاح کا استعمال یہ حرفیت پسند فقہا ان معنوں میں نہیں کرتے، جن میں مولانا نے استعمال کیا ہے، بلکہ یہ اصطلاح فقہا نے ایک قانونی فرق واضح کرنے کے لیے وضع کی ہے، ...... وہ فرق یہ ہے کہ بعض عبادتیں مقصود بالذات ہوتی ہیں، اور بعض عبادتیں عبادت ہونے کے ساتھ دوسری عبادت کا ذریعہ و وسیلہ ہوتی ہیں، جو عبادتیں بذات خود عبادت ہوتی ہیں وہ بغیر نیت کے درست نہیں ہوتیں لیکن جو وسیلہ ہوتی ہیں وہ نیت کے بغیر بھی درست ہو جاتی ہیں، مثلاً نماز بذات خود عبادت ہے، اس میں نیت شرط ہے لیکن وضو عبادت تو ہے، مگر یہ دوسری عبادت کا ذریعہ و وسیلہ ہے، اس لیے اس میں نیت شرط نہیں ہے، چنانچہ فقہا اسی فرق کو واضح کرنے کے لیے نماز کو تعبدی اور وضو کو غیر تعبدی کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام میں نماز کی اہمیت تو ہے اور وضو کی نہیں ہے، اور اگر کوئی بغیر وضو نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی، ایسا ہرگز نہیں ہے،

غور کیجیے کہ فقہا یہ اصطلاح کس معنی میں استعمال کرتے ہیں، اور مولانا اس سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ نماز و روزہ کے علاوہ تمام احکام کو غیر تعبدی قرار دیکر انکی اہمیت اسلام میں کم کر دی جائے، کلمۃ حق ارید بہا الباطل اسی کو کہتے ہیں،

آخر میں مولانا جدید اسلامی فقہ کی خصوصیت پر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> "دو لفظوں میں اگر ہم یہ کہیں کہ عدل و احسان اسلامی فقہ کی بنیادی قدریں ہیں، اور یہی وہ محور ہیں جس کے گرد اس کا پورا نظام تفصیلات گھومتا ہے، تو اس میں ذرہ بھی مبالغہ نہ ہوگا۔" (ص ۱۸۳)

"عدل و احسان" کا لحاظ اسلامی فقہ میں ہمیشہ کیا گیا ہے، اور آیندہ بھی کیا جائیگا،

لیکن یہ عدل و احسان بجائے خود کوئی ماخذ احکام اور منبع شریعت نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت بالکل اضافی ہے، یعنی یہ اسی وقت قابل اعتبار قرار پا سکتے ہیں، جب ان کے اوپر کتاب وسنت کی مہر ثبت ہو، ورنہ پھر دنیا کی ہر حکومت کا نظام اسلامی نظام قرار پائیگا، اس لیے کہ ان سب کا دعویٰ یہ ہے کہ انھوں نے عدل و احسان کے تحت ہی اپنا نظام حکومت ترتیب دیا ہے،

اگر عدل و احسان کا وہی بے قید مطلب لیا جائے، جو موصوف نے لیا ہے، تو پھر دنیا کے کسی معاملہ میں حتیٰ کہ عبادات میں بھی کتاب وسنت کی ہدایت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، حالانکہ قرآن کی جس آیت میں عدل و احسان کا ذکر ہے، اس میں ایتاء ذی القربیٰ اور ینھیٰ عن الفحشاء والمنکر کا بھی ذکر ہے، تو عدل و احسان کے ساتھ معروف و منکر کو بھی کیوں معیار نقد بنایا جائے اور پھر احسان و عدل کا ذکر تو قرآن میں دو چار جگہ ہے، لیکن حق و باطل کا استعمال سیکڑوں جگہ ہوا ہے، تو احسان و عدل کے بجائے حق و باطل کو کیوں نہ معیار قرار دیا جائے، اور واقعۃً یہی معیار بھی ہیں، قرآن کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان دونوں لفظوں کا استعمال کثرت سے ملے گا، اوپر حضرت عمرؓ کا جو فرمان نقل کیا گیا ہے اس میں سب سے زیادہ تاکید حق اختیار کرنے اور باطل ترک کرنے کی ہے،

پھر اس لیے بھی یہ لفظ عدل و احسان سے زیادہ جامع ہے کہ اسلام صرف اختیار و اثبات ہی نہیں، بلکہ ترک اور نفی بھی ہے، اور احسان و عدل میں صرف اس کا ایک ہی یعنی مثبت پہلو نمایاں ہوتا ہے، اور حق و باطل اور معروف و منکر میں دونوں پہلو ابھی ذکر ہے کہ مذکورہ آیت عدل و احسان کے ساتھ . . . . . فحشاء و منکر کی نفی بھی کر دی گئی ہے، ایک مسلمان سے دن رات میں کئی بار اس نفی و اثبات کا اقرار کرایا جاتا ہے، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ

وہ آیات قرآنی جن سے تبدیلی احکام پر استدلال کیا جاتا ہے

جن آیات سے اسلامی احکام کی تبدیلی پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ)	اللہ احکام میں آسانی چاہتا ہے، دشواری اور تنگی نہیں
وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج)	اس نے دین کے سلسلہ میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے،
مَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیدُ لِیُطَهِّرَکُمْ (مائدہ)	اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم کو کسی دشواری میں ڈالے، بلکہ ان احکام کے ذریعہ وہ تم کو پاک صاف کرنا چاہتا ہے،
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ)	اللہ ہر شخص کو اس کی طاقت و قدرت بھر تکلیف دیتا ہے،

وہ احادیث نبوی جن سے تبدیلی احکام پر استدلال کیا جاتا ہے

جو احادیث تبدیلی احکام کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱- بعثت بالحنفیۃ السمحۃ	میں آسان دین حنیفی (ابراہیمی) دیکر بھیجا گیا ہوں
۲- وما خیر بین شیئین الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما	آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ ان میں آسان تر کو اختیار فرماتے تھے، . . . جب کہ آسان تر کا انتخاب گناہ نہ ہو
۳- لا ضرر ولا ضرار	اسلام میں نہ تو تکلیف پہنچانا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے،

ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں بلاشبہ آسانی، سہولت اور رخصت دی گئی ہے، لیکن ان سے جو لوگ تبدیلی احکام پر استدلال کرتے ہیں وہ حق بات کہکر ایک باطل معنی نکالتے ہیں،

غور کیجئے، پہلی آیت میں یسر و عسر کا جو تذکرہ کیا گیا ہے، وہ مطلقاً نہیں، بلکہ ایک مہینے کے روزے کے احکام دینے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ سفر میں ہوں یا مریض ہوں ان کے لیے یہ سہولت دی گئی ہے کہ جب وہ سفر ختم کرلیں یا تندرست ہوجائیں تو ان کی قضا دوسرے دنوں میں کرلیں، اس حکم دینے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ خدا نے احکام کی بجاآوری میں دشواری نہیں، بلکہ سہولت دے رکھی ہے،

ایک حکم کو کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرے وقت میں بجالانے کی آسانی کا جو حکم دیا گیا ہے، اس سے کسی حکم ہی کے منسوخ کردینے پر استدلال کرنا قرآن کے ساتھ تلعب نہیں تو اور کیا ہے،

دوسری آیت کے سیاق و سباق پر غور فرمائیے، پوری آیت یہ ہے:

یا ایہا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا — اے ایمان والو! رکوع اور سجدے کیا کرو
واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم — (یعنی نماز) اور خدا کی اطاعت کرتے رہو
تفلحون وجاھدوا فی اللہ حق — اور ہر طرح کے بھلے کام کرتے رہو امید ہے
جھادہ ھو اجتبٰکم — کہ تم فلاح پاؤگے، اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے رہو جیسا کہ جہاد کا حق ہے، ان کاموں کے لیے

(سورۂ حج [illegible])

ان احکام کے ذکر کے بعد پھر یہ کہا گیا ہے،

وما جعل علیکم فی الدین من حرج — دین کے معاملہ میں کوئی دشواری نہیں ہے،

پھر مذکورہ احکام ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ آیت کے سباق میں پھر ملت ابراہیمی کا تذکرہ ہے، اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ہی نے تمھارا نام اطاعت گذار (مسلم) رکھا ہے، پھر شہادت حق کی ذمہ داری

کا تذکرہ ہے، اس کے بعد کچھ احکام دینے کے بعد پھر یہ کہا گیا ہے کہ خدا تمھارا والی اور مددگار ہے،

غور فرمائیے، یہ ٹکڑا کتنے احکام کے ضمن میں لایا گیا ہے، اور ان احکام میں صرف نماز، روزہ ہی نہیں بلکہ جہاد اور شہادت حق کی ذمہ داری اور اعتصام باللہ کا تذکرہ بھی ہے، اس ضمن میں یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ امت محمدیہ کی بعثت ان امور کی بجاآوری ہی کے لیے ہوئی ہے،

اس درمیان میں وما جعل علیکم فی الدین من حرج کے ٹکڑے کے لانے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ جو احکام تم کو دیے گئے ہیں، ان میں اگر تم کو کوئی دشواری اور تنگی محسوس ہوتی ہے تو خدا کا مقصد تم کو دشواری اور تنگی میں ڈالنا نہیں ہے، بلکہ یہ سب احکام تمھاری فلاح و سعادت ہی کے لیے دیے گئے ہیں، اگر تم کو ان کی بجاآوری میں کوئی دقت یا دشواری محسوس ہوتی ہے، تو گھبرا کر خدا کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو نہیں، وہ تمھاری مدد و نصرت کے لیے موجود ہے،

بالکل اسی طرح تیسری آیت کے سیاق و سباق میں بھی تحریم و تحلیل کے سخت احکام دینے کے بعد یہ کہا گیا ہے، ان احکام کے دینے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو کسی دشواری میں ڈالے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم کو پاک و صاف کردے،

"حرج" کا لفظ جس پر استدلال کی ساری بنیاد ہے، اس کی تفسیر ملاحظہ ہو:

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ "حرج" کے کیا معنی ہیں، انھوں نے کہا کہ تم عرب نہیں ہو کہ اس کے معنی پوچھتے ہو، پھر قبیلہ ہذیل کے کسی آدمی کو بلوایا، اور اس سے پوچھا "ما الحرج" حرج کے کیا معنی ہوتے ہیں، وہ بولا:

الحرج من الشجر ما لیس لہ مخرج — وہ جھاڑی جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو،

لغت کے ماہر زجاج کہتے ہیں، غیر معمولی تنگی کو حرج کہتے ہیں، الحرج: ضیق (المضیق)، عرب اس جھاڑی کو جس میں کوئی جانور آجانے کے، حرج کہتے تھے، اسی سے حرج کے معنی تنگی کے

بھی ہیں، کیونکہ آدمی گناہ کرکے رحمت خداوندی کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلیتا ہے، قرآن نے اس معنی میں بھی حرج کا لفظ استعمال کیا ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ "حرج" کے دو مفہوم ہیں، ایک یہ کہ اسلامی احکام میں خدا نے کوئی ایسی دشواری اور تنگی نہیں رکھی ہے جس کو بندہ سہار نہ سکے، یا اس کو اس کی بجاآوری میں کوئی طبعی عذر یا دقت ہو، تو اس کے لیے کوئی راہ نہ نکال دی گئی ہو، دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت آدمی سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے ناپاک اور رحمت خداوندی سے محروم نہیں ہو جاتا، بلکہ خدا نے اس کے لیے ایسی سبیل پیدا کردی ہے کہ وہ پھر پاک ہونا چاہے اور رحمت خداوندی کا دروازہ اپنے اوپر وا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے،

معلوم نہیں اس جملہ کا یہ مفہوم لوگوں نے کہاں سے نکال لیا کہ جس حکم پر عمل کرنے میں دقت محسوس ہو، یا کوئی معمولی نقصان ہو، یا موجودہ تمدن میں اس کو برا سمجھا جاتا ہو تو اس کو منسوخ یا محدود کر دیا جائے، امام شاطبی نے اسی خیال کے لوگوں کو خطاب کرکے کہا تھا کہ

ماھو من الحرج مقصوداً	دین میں حرج نہ ہونے کا مطلب شرعی احکام
الرفع (ج ۲ ص ۱۰۷)	کو منسوخ کر دینا یا اٹھا دینا نہیں ہے،

اوپر جو احادیث نقل کی گئی ہیں، اگر ان کو بھی قرآن کی ان آیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو پھر ان سے بھی یہ مفہوم قطعی نہیں نکالا جا سکتا کہ جہاں کوئی دقت اور دشواری محسوس ہو بس فوراً وہ حکم بالائے طاق رکھ دیا جائے، چنانچہ اس حدیث میں جہاں یہ ذکر ہے کہ آپ آسان تر پہلو اختیار کرتے تھے، یہ قید بھی لگی ہوئی ہے

مالم یکن اثماً۔ جب اس آسان پہلو میں کوئی گناہ نہ ہو تب آپ اسے اختیار فرماتے اور اگر اس میں گناہ ہو تو

فان کان اثماً کان ابعد الناس	اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تھا تو پھر آپ سب سے زیادہ دور رہنے والے تھے

امام شاطبی کے زمانہ میں یعنی آٹھویں صدی میں[1] کچھ لوگوں نے ان کے سامنے یہ خیال ظاہر کیا کہ اسلام کے اندر جو رخصتیں دی گئی ہیں، ان سب کو جمع کرکے ان ہی پر کیوں نہ عمل کیا جائے، موجودہ دور کے مجتہدین کی طرح انھوں نے بھی اپنی دلیل میں قرآن کی وہی آیات اور احادیث پیش کیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، اور ان کو پیش کرنے کے بعد پھر یہ کہا کہ

کل ذالک ینافی شرع الشاق	ان تمام آیات و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت کا قانون
الثقیل (ج ۴ ص ۸۳)	مشقت، دشواری اور تنگی کے منافی ہے،

امام شاطبی ان کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں (امام شاطبی کی کتاب کے اقتباسات قصداً اس لیے نقل کیے جا رہے ہیں کہ ڈاکٹر محمصانی نے امام شاطبی کی عبارتوں سے کافی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے)

والجواب عن ھذا ما تقدم وھو	اس کا جواب جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، اگر ان آیات
ایضاً مود الی ایجاب اسقاط التکلیف	و احادیث کا وہی مفہوم ہے جو تم لوگ بیان کرتے ہو
جملةً فان التکالیف کلھا شاقة	تو پھر اس کے معنی یہ ہے کہ یہ آیات و احادیث اسلامی
ثقیلة ولذالک سمیت تکلیفاً[2]	احکام کو سرے سے ساقط کر دینے ہی پر ابھارتی ہیں
من الکلفة وھی المشقة فاذا کانت	کیونکہ اگر دشواری و مشقت ہی کی وجہ سے احکام
المشقة حیث لحقت فی التکلیف	ساقط ہوں گے تو شریعت کے ہر حکم میں کچھ نہ کچھ دشواری
تقتضی الرفع بھذہ الدلائل	اور مشقت ہے اور اسی مشقت ہی کی وجہ سے تو
لزم ذالک فی الطھارات والصلوات	احکام اسلامی کو "تکالیف شرعیہ" کہا جاتا ہے،
والزکوٰۃ والحج والجھاد وغیر ذالک	کیونکہ تکلیف کلفت سے مشتق ہے جو مشقت کا دوسرا نام ہے

---

[1] ان کی وفات سنہ ۷۹۰ھ میں ہوئی ہے [2] تکلیف کا مفہوم سمجھنے کے لیے (لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا) کو سامنے رکھا جائے،

ولا يتفق عند حد الا اذا لم يبق على العبد تكليف وهذا محال فما ادى اليه مثله فان رفع الشريعة مع فرض وضعها محال (جلد ۲ ص ۸۳)

اگر ہر تکلیف و مشقت جو کسی اسلامی حکم کی بجا آوری میں پیش آئے اس کو ان دلائل کے ذریعہ منسوخ کر دیا جائے تو پھر اس سے لازم آئیگا کہ طہارت، نماز، زکوٰۃ، حج اور سب سے بڑھ کر جہاد اور اس کے علاوہ تمام احکام شرعیہ کو ساقط کر دیا جائے، یہاں تک کہ بندے کے اوپر کوئی شرعی پابندی باقی ہی نہ رہے، کیونکہ سب میں تکلیف و مشقت ہے، یہ انتہائی غلط اور محال بات ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک طرف شریعت بندوں کے لیے قانون بھی مقرر کرے اور دوسری طرف اسکو خود ہی ساقط بھی کر دے۔

پھر وہ دوسری جگہ دشواری، تکلیف اور مشقت کو بہانہ بنانے والوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وان سميت كلفة فاحوال الانسان كلها كلفة فى هذه الدار فى اكله وشربه وسائر تصرفاته ولكن جعل له قدرة عليها بحيث تكون تلك التصرفات تحت قهره لا ان يكون هو تحت قهر التصرفات[1]

اگر اس معنی میں شرعی احکام کو مشقت طلب کہا جائے تو پھر اس دنیا میں انسان کے سارے کام ہی مشقت طلب ہیں، کھانے پینے اور دوسرے تمام تصرفات میں تکلیف و مشقت ہے، لیکن اس تکلیف و مشقت کے باوجود خدا نے انسان کو اس سے عہدہ برآ ہونے کی قدرت دی ہے، تاکہ یہ تصرفات اسکے سامنے مغلوب ہیں نہ کہ وہ خود ان تصرفات سے مغلوب ہو جائے۔

[1] اس حوالہ پر ان لوگوں کو خاص طور پر غور کرنا چاہیے جو حالات سے مغلوب ہو کر اسلامی احکام میں اکثر ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔

فكذلك التكاليف فعلى هذا ينبغي ان يفهم التكليف وما تضمن من المشقة واذا تقرر هذا انما تضمن التكليف الثابت على العباد من المشقة المعتادة ليس بمقصود الطلب الشارع من جهة نفس المشقة بل من جهة ما فى ذلك من المصالح العائدة على المكلف[1]

اسی کے اوپر شرعی تکالیف اور انکی دشواریوں کو قیاس کر لینا چاہیے یعنی یہ کہ انسان کو اسکے اوپر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ انکے سامنے مغلوب ہو جانا چاہیے اور جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ جو قابل برداشت مشقتیں بندوں پر شریعت نے ڈالی ہیں، اس سے شارع کا مقصود ان کو دشواریوں میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ ان کے مصالح کے پیش نظر ہی ان کو یہ تکلیفیں دی گئی ہیں۔

البتہ کوئی ایسی دشواری یا کوئی ایسی مشکل پیش آجائے جس کا اثر عام طور پر بندوں کے جان و مال یا انکی عزت و آبرو پر پڑتا ہو تو اس کو رفع کیا جا سکتا ہے، جس طرح بھوک سے مرنے والے کے لیے مردار کھانے کی اجازت ہے، لیکن اس کو سد رمق سے زیادہ کھانے کی اجازت نہیں ہے، لیکن چند آدمی بیٹھ کر فرضی طور پر کسی امر کے بارے میں یہ کہہ دیں کہ یہ وقت طلب ہے تو اس کا کوئی اعتماد نہیں ہے، بلکہ پہلے اس دشواری کو پیش آجانا چاہیے، پھر اس پر غور کیا جائیگا، فرضی دشواریوں کا کوئی اعتبار نہیں، قاضی ابن عربی لکھتے ہیں:

واذا كان الحرج فى نازلة عامة فى الناس فانه يسقط واذا كان خاصا لم يعتبر (شاطبی ج ۲ ص [illegible])

وہ دشواری جو عمومی ہو اس کو رفع کیا جا سکتا ہے، اور اگر خاص ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں

اب جو لوگ ان آیات و احادیث سے موجودہ دور کی تمدنی ضرورتوں کے لیے جو حقیقتہً

[1] الموافقات جلد ۲ ص ۸۳

ضرورتیں نہیں، بلکہ مصیبتیں ہیں، جو از کی شکلیں نکالتے ہیں، اور غیر اسلامی طرز معیشت، معاشرت اور سیاست کو امور مسلمہ مان کر اسلامی احکام کو توڑ مروڑ کے ان کے مطابق بنانا چاہتے ہیں، یا ان کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں، ان کے لیے ان آیات واحادیث سے قطعی کوئی گنجائش نہیں نکلتی، بشرطیکہ وہ قرآن وحدیث کو اپنی خواہش کا تابع نہ بنائیں، اور ان آیات واحادیث کو ان کے سیاق وسباق سے کاٹ کر اور اسلام کے حرام وحلال اور معروف ومنکر کے مقرر کردہ حدود سے الگ ہو کر سمجھنے کی کوشش نہ کریں، ورنہ پھر قرآن سے ہر برائی کو ثابت کرنا آسان ہے، کاش یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس نصیحت کو سامنے رکھکر اسلامی احکام پر غور کرتے تو وہ اپنے اوپر بھی رحم کرتے اور قرآن وحدیث کو بھی قطع برید سے محفوظ رکھتے، انھوں نے خیر القرون اور بعد کے زمانہ کے لوگوں کے طرز عمل کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں لوگ اپنی خواہشات کو اعمال و احکام کا تابع رکھتے ہیں لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آئیگا جب لوگ اعمال و احکام کو اپنی خواہشات کا تابع بنالیں گے" (موافقات ج ۲، ص ۱۷۸)

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسلام میں اجتہاد کی اجازت صرف ان امور میں دی گئی ہے جن میں کتاب وسنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے، لیکن ان امور میں جن کا صراحۃً ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے، ان میں ایک شخص کو کیا پوری امت کو بھی تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہے، مگر جدید مجتہدین یہ کر رہے ہیں کہ اپنے آزادانہ اجتہاد کا نشانہ ان امور کو بنا رہے ہیں جو کتاب وسنت اور پوری امت کے تعامل سے ثابت ہیں، مثلاً ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت قرآن سے، سنت متواترہ سے اور پوری امت کے تعامل سے ثابت ہے، لیکن یہاں ایسا قانون بنانے کی کوشش کی جارہی ہے جس کی رو سے اسلام کے اس دیے ہوئے حق کو مرد سے چھین لیا جائے، حالانکہ مشہور مفسر صحابی حضرت

ابن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ "حرج" جس پر ان مجتہدین کے استدلال کی بنیاد ہے، کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے تھے، خدا نے ہمیں ایک ہی عورت سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ اس نے ہمیں چار تک کی اجازت دی"

غور کیجئے کہ جس آیت سے یہ حضرات ازالۂ احکام پر استدلال کرتے ہیں، اسلاف ان آیات سے اثباتِ احکام کا کام لیتے تھے، اسی کا نام ہے احکام کو اپنی خواہش کا تابع بنانا،

(باقی)

یونانی منطق کے قدیم تراجم

از

جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ۔ ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی ۔ بی ۔ ٹی ۔ ایچ

(۲)

مگر سب سے زیادہ وقت ان تراجم کے ایک بوسیدہ مخطوطہ کے دریافت ہونے سے پیدا ہوگئی ہے، سینٹ جوزف کالج بیروت میں ان قدیم تراجم کا ایک مخطوطہ دریافت ہوا ہے جس کا نمبر ۳۳۸ ہے اور جو ۲۵۵ اوراق پر مشتمل ہے، تقریباً تیس سال ہوئے، ۱۹۲۶ء میں جوزپے فرلانی (G. Furlani) نے اس کتاب کا تعارف کرایا تھا، اس مخطوطہ کے آخر میں حسب ذیل توقیع ہے،

"تمت کتب الثلاثة من ترجمة محمد بن عبد الله المقفع وقد ترجمها بعد محمد ابونوح الکتاب النصرانی، ثم ترجمها بعد ابی نوح سلمة الحرانی صاحب بیت الحکمة لیحیی بن خالد برمکی للیث الاربعة کلها قبل هؤلاء المترجمین الذین تکسانی الملکانی النصرانی"[1]

توقیع کی اس ظاہری عبارت سے پروفیسر پول کراؤس کا دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے کہ ارسطا طالیسی منطق کا قدیم ترین مترجم عبد اللہ بن المقفع کا بیٹا محمد بن عبد اللہ بن المقفع تھا اور یہ کہ اس کے سلسلہ میں قاضی صاعد اندلسی سے چوک ہوئی ہے، اس ثبوت کا جائزہ تو بعد میں لیا جائے گا لیکن اس مخطوطہ سے

[1] اثرات الیونانی ص ۱۰۰،

چند باتوں کی تصدیق ہو جاتی ہے

اوّلاً جاحظ اور ابن الندیم کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ارسطا طالیسی منطق کا مترجم ابن المقفع ہے،[1]

ثانیاً جاحظ کے اس قول میں کہ ابن المقفع ارسطالیسی منطق کا مترجم ہے، اور ابن الندیم کی اس تصریح میں کہ وہ اس کا ملخص نویس ہے تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ فرلانی (Furlani) جس نے اس مخطوطہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے اپنے تعارفی مضمون میں لکھتا ہے کہ یحیی النحوی (John Grammaticus)[1] سرجیوس راس عینی کی شرح ارسطا طالیس اس مخطوطہ کے درمیان مقابلہ کرنے کے بعد تینوں میں قریبی مشابہت معلوم ہوتی ہے، ہاں مخطوطہ کے جزء "ایسا غوجی" کے متعلق جو پہلے ہیں اوراق پر مشتمل ہے، فرلانی کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ قدماء کے دورِ آخر کی شروح کے مشابہ ہے مگر اس کے بارے میں بھی پروفیسر پول کراؤس کہتے ہیں کہ

"یہ بھی ممکن ہے کہ یحیی النحوی کی شرح ایسا غوجی اس جزء اول (ایسا غوجی) کی اساس ہو"[2]

بہرکیف ان تراجم کی اساس کسی کی شروح پر کیوں نہ ہو، ان پر ترجمہ (آزاد ترجمہ) کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے، اور تلخیص کا بھی، اس لئے نہ تو جاحظ کا یہ قول کہ

فمتی کان رحمه الله .... ابن المقفع مثل ارسطا طالیس"

حقیقت سے بعید ہے اور نہ ابن الندیم کا کہ

"ولهذا الکتاب مختصرات .... لجماعة فیهم ابن المقفع"

ثالثاً کتاب کی ساخت اور اس کا خاتمہ اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ یہ ترجمہ کم از کم فارابی کے زمانہ سے پہلے ہوا ہے[3]، کتاب کا عام انداز اس طرز تعلیم کے مطابق ہے، جو فلسفیانہ مدارس میں تیسری صدی ہجری کے ربع ثالث تک مروج تھا اور جس کے خلاف سب سے پہلے فارابی نے بغاوت کی، اس کی تفصیل یہ ہے :

[1] دیکھئے اوپر حواشی نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۹ [2] اثرات الیونانی ص ۱۰۰ [3] بلکہ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے بھی پہلے ،

ارسطو کی منطقی تصانیف اُس کے جانشینوں نے آٹھ کتابوں میں مرتب کی تھیں جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ قاطیغوریاس (Categorius.) یا کتاب المقولات

۲۔ باری ارمینیاس (Propositions) یا کتاب العبارۃ

۳۔ انالوطیقا یا انالوطیقا اولی (Prior Analytics) یا کتاب القیاس

۴۔ ابودیقطیقا یا انالوطیقا ثانیہ۔ (Posterior Analytics. - Appodictics) یا کتاب البرہان

۵۔ طوبیقا (Topicus) یا کتاب الجدل

۶۔ سوفسطیقا، (Sophistics) یا کتاب الحکمۃ المموہہ

۷۔ ریطوریقا (Rhetorics) یا کتاب الخطابہ

۸۔ ابوطیقا، (Poetics) یا کتاب الشعر،

تیسری صدی عیسوی میں فرفوریوس الصوری (۲۳۲ - ۳۰۴) (Porphyry of Tyre) نے ان کتابوں کی تسہیل و تقریب کے لئے ایک مدخل (مقدمہ) لکھا، جو قرونِ وسطیٰ میں (Introduc-tion to the Categories۔) کہلاتا تھا، اور جسے مسلمان مورخین و منطقیین ایساغوجی Isagoge کہتے تھے، اس طرح اب آٹھ کے بجائے منطق کی نو کتابیں ہوگئیں، اسی وجہ سے حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے۔

ایساغوجی .... وھو باب من الابواب التسعۃ للمنطق،	ایساغوجی .... اور وہ منطق کے نو ابواب میں سے ایک باب ہے،

بہرحال ارسطو کے بعد سے فرفوریوس کے زمانہ تک ارسطاطالیسی منطق کی آٹھ کتابیں اور اس کے بعد سے مسیحی تعصب کے ظہور میں آنے تک ابواب تسعہ (آٹھ ارسطو کی کتابیں اور نویں فرفوریوس کی

ایساغوجی) مدارسِ فلسفیہ میں زیرِ درس رہیں لیکن مسیحی تعصب نے اس نصابِ تعلیم پر نظرِ ثانی کی، اور یہ فیصلہ کیا کہ صرف کتاب القیاس کی فصل مختتم اشکالِ وجودیہ تک کی اجازت دی جائے، کیونکہ اس سے نصرانی مذہب کی تائید و نصرت میں مدد ملتی تھی، اور اس کے بعد کی تعلیم ممنوع قرار دی گئی، کیونکہ اس سے نصرانیت کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا، اور چونکہ اب تعلیم و ترجمہ کا کام عموماً مسیحی علماء کے ہاتھ میں رہ گیا تھا لہٰذا یہ قرارداد ایک مسلمہ رسم بن گئی، اور فارابی المتوفی ۳۳۹ھ کے زمانہ تک تمام فلسفی مدارس کا معمول بہ رہی، چنانچہ ابن ابی اُصیبعہ نے خود فارابی سے نقل کیا ہے۔

وجری الامر علی ذلک الی ان جاءت النصرانیۃ فبطل التعلیم من رومیۃ وبقی بالاسکندریۃ الی ان نظر ملک النصرانیۃ فی ذالک واجتمعت الاساقفۃ و تشاوروا فیما یترک من هذا التعلیم وما یبطل فراؤا ان یعلم من کتب المنطق الی اخر الاشکال الوجودیۃ ولا یعلم ما بعدہ لانهم راؤا ان فی ذلک ضررا علی النصرانیۃ وان فیما اطلقوا تعلیمه ما یستعان به علی نصرۃ دینهم فبقی الظاهر من التعلیم	اور برابر یہ طریقہ جاری رہا، یہاں تک کہ نصرانیت کا زمانہ آیا، اور روما سے تو تعلیم کا خاتمہ ہوگیا، البتہ اسکندریہ میں فلسفے کی تعلیم ہوتی رہی، یہاں تک کہ نصرانیوں کے بادشاہ نے اس کے متعلق غور و خوض کیا۔ تمام مذہبی پیشوا جمع ہوئے، اور مشورہ کیا کہ اس تعلیم سے کتنا حصہ باقی رکھا جائے، اور کتنا متروک کر دیا جائے، پس یہ رائے قرار پائی کہ منطق کی کتابوں میں سے اشکال وجودیہ کے اختتام تک تعلیم دی جائے، اور اس کے بعد کے مباحث نہ پڑھائے جائیں کیونکہ اُن کی رائے میں اس سے نصرانیت کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا، اور جس حصے کی تعلیم

ھذا المقدار و ما نظر من الباقی	کی اجازت دی تھی، ایسا تھا جس سے
مستور الی ان کان الاسلام بعد	اُن کے دین کی تائید میں مدد مل سکتی تھی
بمدۃ طویلۃ[1]	پس منطق کی تعلیم میں سے صرف اتنا ہی
	حصّہ متداول رہا، اور باقی حصّہ گوشۂ گمنامی
	میں پڑا رہا، یہاں تک کہ عرصۂ دراز کے
	بعد اسلام آیا۔

لیکن اسلام کی بعثت کے فوراً بعد ہی اس رسم میں تبدیلی نہیں ہوئی، مدرسۂ فلسفہ سنہ ۱۰۰ھ کے قریب بعد حضرت عمر بن عبد العزیز اسکندریہ سے انطاکیہ منتقل ہوا، وہاں سے متوکل باللہ (۲۳۲ - ۲۴۷) کے زمانہ میں حران میں اور حران سے معتضد باللہ (۲۷۹ - ۲۸۹) کے زمانہ میں بغداد میں منتقل ہوا۔ فارابی کی تعلیم کا زمانہ تھا، مگر رسم قدیم اب بھی بدستور باقی تھی، چنانچہ اس تفصیل کے بعد فارابی کہتا ہے۔

وکان الذی یتعلم فی ذالک	اور اس وقت صرف اشکالِ وجودیہ
الوقت الی آخر الاشکال الوجودیۃ[2]	کے خاتمہ تک تعلیم ہوتی تھی،

اس کے بعد کی منطق تعلیم ممنوع تھی اور "الجزء الذی لا یقراء" کہلاتی تھی، فارابی کہتا ہے۔

وکان یسمی ما بعد الاشکال	اور اشکالِ وجودیہ کے بعد کا حصّہ "الجزء
الوجودیۃ الجزء الذی لا	الذی لا یقراء" یا ممنوع التعلیم
یقراء"[3]	کہلاتا تھا،

فارابی کی اس روایت کی تصدیق ڈاکٹر مارکس مایرہوف (Max Meyerhof) نے ریناں اور اشٹین شنائیڈر کے شبہات کی وجہ کو کرتے ہیں کہا مانون (... ...) المنطق کے سریانی تراجم حاشیہ

[1] طبقات الاطبا جلد ثانی ص ۱۳۵، [2] ایضاً [3] ایضاً

تحلیلات اولی (انالوطیقا) کی ساتویں فصل (اشکال وجودیہ) پر ختم ہو جاتے ہیں، نیز پانچویں صدی عیسوی کے نصف سے جب سے کہ نسطوری ترجمہ کی تحریک کا آغاز ہوا (یعنی پروبوس Probus کے زمانہ سے) تحلیلات اولی (انالوطیقا و کتاب القیاس) کے سوا اور کچھ ترجمہ ہوا، نہ کسی اور کتاب کی تفسیر لکھی گئی، یہی انداز یعقوبی فرقے کے علما مثلاً جدجیوس اسقف العرب وغیرہ کا بھی رہا، وہ بھی (Monophysite) اس جزء کے علاوہ نہ کسی اور چیز کی شرح کرتے ہیں نہ ترجمہ۔[1]

اسی رسم پر فارابی کے زمانہ تک مسلمان مترجمین و مفسرین نے عمل کیا، چنانچہ ابن الندیم نے قاطیغوریاس، باری ارمینیاس، اور انالوطیقا اولی کے مترجمین و مفسرین میں متعدد مسلمان حکما، کا نام لیا ہے، مگر بعد کی پانچ کتابوں کا یہ حال نہیں ہے، ابو دیقطیقا (کتاب البرہان) کو متی بن یونان نے (جو فارابی کا معاصر تھا) طوبیقا (کتاب الجدل) اور سوفسطیقا (کتاب الحکمۃ المموہہ) کو یحییٰ بن عدی نے ریطوریقا (کتاب الخطابہ) کو ابراہیم ابن عبد اللہ نے اور بوطیقا (کتاب الشعر) کو ابو بشر متی بن یونان اور یحییٰ بن عدی نے عربی میں ترجمہ کیا، اور یہ سب ناقلین و مترجمین یا فارابی کے معاصر ہیں، یا اُس سے متاخر۔

خود ابو بکر محمد بن زکریا الرازی المتوفی سنہ ۳۱۱ھ (جو فارابی کا معاصر ہے) کی تصانیف میں ان تین کتابوں (اور ایساغوجی) کے علاوہ بقیہ پانچ کتابوں میں سے کسی اور کتاب کا ترجمہ یا تفسیر نہیں تھی، ابن ابی اصیبعہ نے اُس کی مصنفات کی طول طویل فہرست میں منطق کی صرف چار کتابیں گنائی ہیں،

۱۔ کتاب ایساغوجی وھو المدخل الی المنطق (۲) جمل معانی قاطیغوریاس، (۳) جمل معانی باری ارمینیاس (۴) جمل معانی انالوطیقا الاولی الی تمام القیاسات الحملیۃ[2]

یہ بھی واضح رہے کہ ارسطالیسی منطق کی تفاسیر میں ہم الکندی سے پہلے کسی مسلمان منطقی کا نام نہیں پاتے، اس لئے یقین کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم الکندی (۱۸۵ - ۲۵۸) کے زمانہ تک عام رسم یہی تھی کہ صرف

[1] التراث الیونانی ص ۴۴ - ۴۵ [2] طبقات الاطبا جلد اول ص ۳۱۵

انہی چار کتابوں پر اکتفا کیا جاتا تھا، اور بیروت کے مخطوط کی جو تفاصیل فرلانی نے بیان کی ہیں، اُس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ نودریافت مخطوط اسی رسم کے ساتھ ہم آہنگ ہے، چنانچہ مخطوط کے آخر میں توقیع سے قبل حسب ذیل عبارت ہے،

ثم کتاب انو لوطیقا ولیس بعدہ من ھذہ الکتب الا کتاب افود الطبیعی ولم یمنعنا من استقرائہ الا ما قدمنا فی صدر الکتاب جماعاً رأینا کافیاً عن التفنید[1]

کتاب انولوطیقا ختم ہو گئی، اور اس کے بعد اُن ارسطاطالیسی منطق کی کتابوں میں کتاب انودیقطیقی (کتاب البرہان) کے سوا کوئی نہیں، اور ہمیں اس کے پورا کرنے سے صرف اسی اجماع نے روکا ہے جو ہم نے آغاز کتاب میں بیان کیا ہے، اور جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے،

لہذا یقینی ہے کہ یہ ترجمہ فارابی بلکہ الکندی (۱۸۰ - ۲۵۰) کے زمانہ سے پہلے مرتب ہو چکا تھا، دوسری صدی ہجری کے اختتام سے کہیں پہلے ہو چکا تھا،

رابعاً مخطوط بیروت ابن المقفع کے علاوہ اور مترجمین ابونوح الکاتب النصرانی اور سلما صاحب بیت الحکمۃ کا نام بھی بتاتا ہے مگر ان مترجمین ذاتلین کا نام نہیں لیتا جنھیں ابن ندیم نے الکلام علی قاطیغوریاس الکلام علی باری ارمینیاس، اور الکلام علی انالوطیقا الاولی کے ضمن میں بیان کیا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب وہ اصل جس سے یہ مخطوطہ منقول ہے لکھی گئی تھی، اس وقت تک ابونوح اور سلما کے علاوہ کسی اور مترجم کا ترجمہ وجود میں نہیں آیا تھا، اسی طرح جاحظ نے جن مترجمین ارسطاطالیس کے نام دیئے ہیں[2]، اس مخطوطہ کی اصل اُن سے بھی پہلے لکھی گئی تھی،

[1] التراث الیونانی صفحہ ۱۰۹ - [2] کتاب الحیوان جلد اول ص ۳۰ -

ان ملحوظات کے بعد اصل مسئلہ کو لیجئے، مخطوطہ کے آخر میں جو توقیع ہے اُس سے پروفیسر پول کراؤس نے اپنے خیال کی تائید کی ہے کہ قدیم ترین مترجم عبداللہ بن المقفع کا بیٹا محمد بن عبداللہ بن المقفع تھا اور یہ کہ اس کے نام کے ثبت میں قاضی صاعد اندلسی سے چوک ہوئی ہے،

قاضی صاعد جمال الدین ابن القفطی اور ابن ابی اُصیبعہ عبداللہ بن المقفع (مترجم کلیلہ ودمنہ) کو اس ترجمہ کا مترجم بتاتے ہیں، ابن ابی اصیبعہ کا ماخذ قاضی صاعد کے علاوہ غالباً قفطی بھی ہے، مگر معلوم نہیں قفطی کا ماخذ قاضی صاعد ہے، یا اس کے علاوہ اور کوئی - اگر قفطی کا ماخذ قاضی صاعد کی طبقات الامم کے علاوہ اور کچھ ہے، تو دو آزاد ماخذ اس نظریے کی تائید کرتے ہیں کہ اولین مترجم عبداللہ بن المقفع تھا اور اگر قفطی کا ماخذ بھی طبقات الامم ہے تو کم از کم فلسفیانہ تصانیف کی تاریخ کے باب میں قاضی صاعد کی ایک مسلمہ حیثیت ہے، اور بآسانی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان سے اس باب میں تسامح ہوا ہے اور اولیت کا شرف بیٹے کے بجائے باپ کو دیدیا ہے، رہی توقیع کی عبارت تو وہ حسب ذیل ہے،

"تمت کتب الثلاثۃ من ترجمۃ محمد بن عبد اللہ المقفع وقد ترجمھا بعد محمد ابونوح الکاتب النصرانی، ثم ترجمھا بعد ابی نوح سلمۃ الحرانی صاحب بیت الحکمۃ لیحیٰی بن خالد برمکی الیت الا ربعۃ کلھا قبل ھؤلاء التراجمتین الذین تکسانی الملکانی النصرانی"

اس عبارت کے ملاحظہ کے بعد فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں تک اعتماد کے لائق ہے، ہمیں کسی مصنف کی تکذیب و تغلیط کا تو حق نہیں ہے، مگر کاتبوں پر بھی غیر مشروط اعتماد نہیں کیا جا سکتا، خود فاضل پروفیسر کو احساس ہے کہ اس کتاب میں جابجا کتابت کی غلطیاں ہیں مثلاً

ا۔ خط کشیدہ الفاظ یقیناً غلط ہیں، ان میں سے نمبر ۱ تا نمبر ۲ کی تصحیح پروفیسر موصوف نے "الکتبۃ" "الکاتبۃ البرمکی" اور الکتب سے کر دی ہے، مگر "الذین تکسانی الملکانی النصرانی" اس درجہ مہمل ہے کہ

اس کی اصلاح بھی یا ووس عنہ سمجھ کر چھوڑ دی،

۲- اس توقیع سے پہلے جہاں کتاب انالوطیقا ختم ہوئی ہے، مرقوم ہے،

"تم کتاب انولوطیقا و لیس بعدہ من ھذہ الکتب الا کتاب

اقود الطبیعی ......"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرلانی "اقود الطبیعی" کو "اسمع الطبیعی" سمجھا حالانکہ جیسا کہ پروفیسر بول کراؤس کی رائے ہے یہ لفظ درحقیقی (Appodicticee) ہے،

۳- یا دوس عنہ عبارت سے پہلے کی توقیع کی عبارت بھی جیسا کہ فاضل پروفیسر نے خود فرمایا ہے مستقیم المعنی نہیں ہے، بالخصوص "قبل ھؤلاء المترجمین" کا توقیع کی عبارت میں کوئی محل ہی نہیں ہے، الا یہ کہ توقیع میں کچھ عبارت کا اور اضافہ کیا جائے،

غرض توقیع کی عبارت پر غیر مشروط اعتماد نہیں کیا جا سکتا خصوصاً جب وہ متعدد ثقات کی تصریحات سے متصادم ہو، لہذا فاضل پروفیسر کی تقلید میں عبارت کے اندر میں بھی ذرا سی تبدیلی کی تجویز کرتا ہوں، پروفیسر موصوف نے تو اتنی بڑی عبارت "وقد ترجمہ محمد بن عبد اللہ المقفع" کا اضافہ کیا تھا، میری تجویز محض اتنی ہے کہ "محمد" سے پہلے "ابی" بڑھا دیا جائے، اور "بن" کو عبد اللہ سے پہلے کے بجائے بعد میں لکھ دیا جائے۔ نیز اگر "الذین نکسانی الملکانی النصرانی" کی تصحیح سے "قبل ھولاء المترجمین" کو بامعنی بنایا جا سکے تو اس موخر الذکر فقرہ کو بامعنی بنانے کے لیے شروع کے الفاظ فاضل پروفیسر کی تقلید میں یحیی بن خالد البرمکی سے پہلے کے بجائے بعد میں بڑھا دیے جائیں، اس طرح توقیع کی عبارت حسب ذیل ہو جائے گی،

"تمت الکتب الثلاثۃ من ترجمۃ ابی محمد عبد اللہ بن المقفع وقد ترجمہا بعد ابی محمد، ابونوح الکاتب النصرانی، ثم ترجمہا بعد ابی نوح

سلمۃ الحرانی صاحب بیت الحکمۃ یحیی بن خالد البرمکی وقد ترجمہا ابو محمد عبد اللہ بن المقفع الکتب الاربعۃ کلہا قبل ھؤلاء المترجمین الذین تکسانی الملکانی النصرانی"

اس طرح جو مسئلہ فاضل پروفیسر نے اٹھایا تھا کہ ارسطاطالیسی منطق کا اولین عربی مترجم کون ہے؟ عبد اللہ بن المقفع یا محمد بن عبد اللہ المقفع باحسن وجوہ حل ہو گیا یعنی مترجم ادیب شہیر ابو محمد عبد اللہ بن المقفع ہے، چنانچہ الفہرست لابن الندیم میں عبد اللہ بن المقفع کی کنیت جس سے وہ بعد میں مشہور ہوا، ابو محمد ہی ہے ابن الندیم کہتا ہے،

"وھو عبد اللہ بن المقفع ویکنی قبل اسلامہ ابا عمرو فلما اسلم اکتنی بابی محمد،

میری مجوزہ اصلاح سے غالباً الفہرست، کتاب الحیوان، البیان والتبیین، طبقات الامم، اخبار العلماء باخبار الحکماء اور طبقات الاطباء سبھی میں تطبیق ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد یہ مفروضہ تراشنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ

" اس کا ایک بیٹا محمد تھا، جو ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی کا کاتب رہا ہو گا، اور اسی نے یہ تراجم کئے ہوں گے،

حالانکہ خود فاضل پروفیسر کو اعتراف ہے کہ

"ہم اس کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے"[1]

اس صورت میں ایک مجہول الحال شخص کو محض ظن و تخمین کی بنا پر اتنے اہم کام کی اولیت کا شرف دینا مناسب نہیں ہے جبکہ اس سے ثقات مورخین کی تکذیب ہوتی ہو،

---

[1] التراث الیونانی ص ۱۰۶،

لیکن جو امر پروفیسر موصوف کو قاضی صاعد کا قول ماننے میں مانع ہے، وہ غالباً یہی ہے کہ ابن الندیم نے جو اس باب میں الجاحظ کے بعد قدیم ترین ماخذ ہے کہیں یہ نہیں لکھا کہ اُس نے منطق و فلسفہ کی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا تھا، پروفیسر صاحب فرماتے ہیں،

"ابن ندیم کی الفہرست میں ابن المقفع کے بارے میں ایک طویل فصل ہے، جس میں مؤلف نے اُس کی زندگی اور تالیفات کو بیان کیا ہے لیکن اس کی فلسفیانہ تصانیف کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے، حالانکہ خصوصیت سے یہ کہا ہے کہ فارسی سے عربی میں ترجمہ کرنے والوں میں ایک ابن المقفع تھا، اور ان مترجمین میں سر فہرست اسی کا نام رکھا ہے"[۱]

اس شک کا جواب اوپر بالتفصیل دیا جا چکا ہے لیکن اگر بات محض اتنی ہی ہے، اور اس تصدیق سے "کہ عبد اللہ بن المقفع نے منطق کی کتابوں کے عربی میں ترجمے کئے تھے" یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ قاضی ابو القاسم صاعد اندلسی کی روایت مذکورۂ طبقات الامم ناقابلِ اعتماد نہیں ہے، تو الفہرست سے بھی اس کی تصریح ہو سکتی ہے، ابن الندیم ساتویں مقالے کے پہلے فن کی تیسری حکایت کے آخر میں کہتا ہے،

"وقد كانت الفرس نقلت	اہلِ فارس نے قدیم زمانے میں منطق اور طب
فى القديم شيئاً من كتب المنطق	کی بعض کتابوں کو فارسی (پہلوی) میں ترجمہ
والطب الى اللغة الفارسية فنقل	کیا تھا، ان (پہلوی تراجم) کو عبد اللہ بن
ذالك الى العربى عبد الله بن المقفع وغيره"	المقفع وغیرہ نے عربی میں ترجمہ کیا،

ابن الندیم کی اس غیر مبہم تصریح کے بعد اس بارے میں کوئی تردد نہ رہنا چاہئے کہ

۱۔ عبد اللہ بن المقفع (المقتول سنہ ۱۴۳ھ) ہی نے منطق کی کتابوں کو سب سے پہلے عربی میں ترجمہ کیا (باستثنائے فاطیغوریاس)

۲۔ قاضی صاعد اندلسی کی روایت حرف بحرف صحیح ہے اور

۳۔ بیروت کا مخطوط بھی عبد اللہ بن المقفع مترجم کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔ (باقی آئندہ)

---

[۱] تراث الیونانی ص ۱۰۶-۱۰۷ ؛ [۲] الفہرست ص ۳۳۴ (مصری ایڈیشن)

ایران کے کتابخانے

از

جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مسلم یونیورسٹی

(۳)

(۳۴۵) **دیوان ابیوردی** (عربی ص ۲۰۵) مشتمل بر مقطعات ابو المظفر محمد بن ابی العباس احمد بن محمد قرشی اموی ابیوردی خراسانی متوفی ۵۰۶ھ یا ۵۵۷ھ، یہ نسخہ ۶۶۰ھ کا ترقیمہ ہے، آخر کتاب میں ابو سعد احمد بن مسعود بن مفتی بخاری کی لکھی ہوئی یہ تحریر ملتی ہے کہ ۶۶۳ھ میں ابو حامد محمود بن محمد مکی خجندی کو اجازت دی تھی کہ "عراقیات و نجدیات ابیوردی" کو جس طرح اس سے پڑھا تھا، اس سے روایت کرے، اور اہل نقل کی شرائط بجا لائے، اوراق = ۵۵۔

(۳۶۱) **دیوان حافظ** (فارسی ص ۲۱۳) دیوان حافظ متوفی ۷۹۲ھ کا یہ نسخہ سلطان علی مشہدی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، یہ مشہور کاتب سلطان حسین بایقرا و میر شیر نوائی سے متعلق تھا، اور فن خوشنویسی میں بیحد ممتاز تھا، سنہ کتابت ۹۰۱ھ،

۳۶۲۔ **ایضاً**۔ حافظ کے دیوان کا یہ نفیس نسخہ سلطان محمد نور نے دار السلطنت ہرات میں لکھا تھا،

۴۰۰ - **دیوان ناصر خسرو** (فارسی ص ۲۲۷) - ناصر خسرو (متوفی ۴۷۱ھ یا ۴۸۱ھ) کا بہترین قدیم نسخہ جس پر یہ عبارت درج ہے:

"دیوان افصح الشعرا سیدنا ناصر خسرو برسم مطالعۃ السلطان السلاطین ملک العرب والعجم سلطان محمد خان ابن سلطان مراد ملک خلد اللہ ملکہ"

۴۰۳ - **سفینۂ خوشگو** (فارسی ص ۲۲۵) - بندرا بن داس خوشگو کا تذکرہ بڑا اہم ہے، ۱۲۳۰ھ میں شوشتر کے ایک سیلاب میں پانی میں بہتا جا رہا تھا، دری شاعر نے اس کو پانی سے نکال لیا اور نئے سرے سے ترتیب دے کر اس پر ایک مقدمہ لکھا، ایران کے مختلف کتاب خانوں میں اسی نسخے کی مختلف نقلیں پائی جاتی ہیں،

۴۶۴ - **دستور اللغۃ** (عربی و فارسی ص ۲۷۲)، تالیف ابو عبداللہ بدیع الزمان حسین نطنزی (متوفی ۴۹۹ھ) یہ نسخہ بہت قدیم ہے، طرز تحریر اور خط سے چھٹی صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے۔

۴۷۱ - **فرہنگ رشیدی** (فارسی ص ۲۷۷) - عبدالرشید تتوی کی تالیف کا یہ نسخہ ۱۰۶۷ھ کا لکھا ہوا ہے، اس کتاب کی تکمیل ۱۰۶۴ھ میں ہوئی، بہت اہم نسخہ ہے،

۴۸۵ - **مقدمۃ الادب** (عربی ص ۲۸۳) - علامہ جار اللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) نے لغت کی یہ کتاب ابو المظفر اتسز بن خوارزم شاہ کے لیے لکھی تھی، تاریخ کتابت ۸۶۳ھ عدد اوراق = ۱۵۵

۴۸۶ - **ایضاً** - اس لغت کے مجلد دوم کا ایک نسخہ ۷۹۰ھ کا ترجمہ کاتب اسرائیل ابن خلیل، عدد اوراق = ۱۸۵

۴۹۶ - **تقویم الابدان فی تدبیر الانسان** (ترجمہ فارسی ص ۲۹۱)۔ طب کی اس مشہور کتاب کا مولف یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلہ طبیب معروف ہے کسی مترجم نے وفادار بیگ کیخسر

کے حکم سے اس کو فارسی میں منتقل کیا، تاریخ ترجمہ ۷۲۶ھ، تاریخ کتابت ۸۴۲ھ، کاتب محمد ابن حاجی حسن،

۵۱۱ - **شرح قرشی** (عربی ص ۲۹۹) - شیخ الرئیس ابو علی بن سینا کی شہرۂ آفاق تصنیف "القانون" کی بہتوں نے شرحیں لکھیں۔ زیر نظر شرح کا مولف علاء الدین ابو الحسن علی کی قرشی معروف بابن نفیس (متوفی ۶۸۷ھ یا ۶۹۹ھ) ہے، یہ نسخہ مجلد سوم پر مشتمل ہے، جس کی کتابت روز جمعہ، محرم ۷۳۶ھ میں مرحوم شہید خواجہ رشید الدین کی خانقاہ تبریز میں ہوئی، ورق = ۲۳۸

۵۱۲ - **شرح نفیسی** (عربی ص ۳۰۰) نفیس طبیب کی شرح کتاب الموجز تالیف علاء الدین قرشی معروف بابن نفیس۔ یہ شرح ۸۴۱ھ میں تمام ہوئی، اور نسخہ ہذا ۹۱۱ھ کا تحریر ہے، ورق = ۲۳۶

۵۱۶ - **القانون فی الطب** (عربی ص ۳۰۳) ابن سینا کے قانون کے مجلد اول پر مشتمل ہے، سنہ کتابت ۷۱۶ھ ہے، اور کاتب نے اس نسخہ کا مقابلہ خود ابن سینا کے لکھے ہوئے نسخہ سے کیا تھا، اور مولانا نصیر الدین طوسی کے سامنے پڑھا تھا، اوراق = ۲۳۸

۵۱۷ - **ایضاً** - کتاب چہارم کے کچھ حصے پر مشتمل ہے، یہ نسخہ نہایت قدیم ہے، ۶۲۱ھ میں یہ نسخہ محمد بن علی بن الموفق کی ملک میں تھا، اس کا کاتب عبد الحمید بن عثمان طبیب نیشاپوری ہے، اوراق = ۱۴۶

۵۱۹ - **کتاب طبی** (فارسی ص ۳۰۴) مجہول الاسم، صفحۂ اول ناقص ہے، مولف کمال ابن نور بن کمال، جس نے یہ کتاب شاہ طہماسپ صفوی کے نام لکھی تھی جو مقدمہ چہار مقالہ اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، کتابت کی تاریخ ۹۷۴ھ اور تعداد اوراق ۴۴۶ ہے، اسی

مؤلف کا ایک اور رسالہ اسی موضوع پر شاہ طہاسپ کے نام معنون ہے، جو شمارہ ۵۰۴ میں بیان ہوا ہے،

۵۲۱۔ مجموعہ (عربی ص ۳۰۵) حکیم جالینوس کے حسب ذیل نو حصوں پر مشتمل ہے،

(۱) کتاب فرق الطب (۲) کتاب الصناعۃ الصغیرہ (۳) کتاب النبض للمتعلمین (۴) المقالۃ الاولیٰ من کتاب الی اغلوقن فی التاتی لشفاء الامراض (۵) المقالۃ الثانی من کتاب (۶) فی الاسطقسات علی رأی ابقراط (۷) المقالۃ من کتاب فی المزاج (۸) المقالۃ الثانیہ (۹) المقالۃ الثالثۃ،

نہایت قدیم نسخہ ہے، ہر ایک حصے کے آخر میں ایک مختصر جملہ لکھا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۹۲ھ میں محمد بن عبد السلام نے ان حصوں کا مقابلہ و تصحیح کی ہے، جزو سوم کے آخر میں ۷۰۶ھ کی تحریر موجود ہے، شمارۂ اوراق ۲۹۹،

۵۲۳۔ **المختصر در طب** (عربی ص ۳۰۷) تالیف علی بن محمد بن عبد اللہ متطبب یزدی، یہ کتاب ۶۹۵ھ میں مکمل ہوئی اور ۷۹۶ھ میں خود مولف نے اس نسخہ کو مکمل کیا، جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے،

"وقد فرغت من تالیفی هذا المسمی بالمختصر وکتابته ...... فی جبل
قریة کما [illegible] احدی قری بلدة ابرقوه من توابع شیراز فی زمان ملك
یقال له تیمور گورگان" عدد اوراق = ۱۳۲

۵۲۴۔ **المنہج** (عربی ص ۳۱۱)۔ مفرد ادویہ، ان کے خواص اور علاج کے بارے میں ہے، مولف کا نام معلوم نہ ہو سکا، ان میں حسب ذیل ۱۹ جدولیں ہیں:

(۱) الادویہ (۲) الماہیۃ (۳) النوع (۴) الاختیار (۵) المزاج (۶) القوۃ

(۷) منفعۃ فی اعضاء الراس (۸) منفعۃ فی آلات النفس (۹) منفعۃ فی اعضاء الغذاء (۱۰) منفعۃ فی جمیع البدن (۱۱) کیفیۃ استعمالہ (۱۲) کمیۃ ما یستعمل منہ (۱۳) مضرتہ (۱۴) اصلاح (۱۵) بدلہ (۱۶) عدد الادویہ،

بہت نفیس و قدیم نسخہ ہے، آخر ورق پر دوسرے قلم سے بعد میں ۸۱۵ھ کی ایک تحریر ملتی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ نسخہ اس سے قبل کا ہے، اوراق = ۱۴۳

۵۳۸۔ **ترجمہ وفیات الاعیان** (فارسی ص ۳۱۸)۔ ابن خلکان کی وفیات الاعیان کا ترجمہ کبیر ابن اویس لطیفی مشہور بقاضی زادہ نے عثمانی بادشاہ سلطان سلیم خاں کے لئے فارسی میں کیا تھا، جس سال یہ ترجمہ ختم ہوا یعنی ۹۲۶ھ اس سال کا یہ نسخہ ہے، اس لیے بہت اہم ہے، اوراق = ۲۴۹

۵۸۱۔ **کیمیائے سعادت** (فارسی ص ۳۴۳)۔ امام غزالی (۴۵۱ھ۔۵۰۵ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب کا اہم نسخہ ہے، ورق اول پر یہ تحریر ہے:

"دخل ذالک العبد الخالص لمولانا سلطان محمد قطب شاہ بلغه
الی غاية ما يتمناه فی دار السلطنة حیدرآباد ... فی تاریخ اواخر
شهر ربیع الاول سنة اثنی وثلاثین بعد الف من الهجرية"

اس کے نیچے مہر ہے، جس کا سجع یہ ہے:

نقش نگین دلت حیدر صفدر مرا ہر سلیمان زحق گشتہ میسر مرا

اسی طرح وہیں یہ الفاظ بھی ہیں: "العبد سلطان محمد قطب شاہ"

آخر کتاب پر طغرائی شکل میں خط ثلث میں سلطان محمد شاہ کا دستخط ہے، اس کے نیچے بھی کئی مہریں ہیں، ایک میں "شاہ عالمگیر" پڑھا جاتا ہے، ان تحریروں سے اندازہ ہوا کہ

یہ نسخہ شاہی ملک میں رہا ہے، اوراق = ۵۲۴،

۵۸۲۔ **کیمیائے سعادت** (فارسی)۔ امام غزالی کی کتاب کا یہ نسخہ نہایت قدیم ہے، سال کتابت سنہ ۹۹۴ھ ہے، اوراق ۱۶۹، کاتب حسین بن حسین الروادی،

۵۹۱۔ **ینبوع الاسرار فی نصائح الابرار** (فارسی ص ۳۴۸)۔ تالیف حسین بن حسن کاشانی معروف بحسین خوارزمی۔ اخلاق کی یہ کتاب دو مقالہ اور بیس ابواب پر مشتمل ہے، مولف کی وفات کے ۵۲ سال بعد سنہ ۸۹۱ھ میں یہ نسخہ تحریر ہوا، ورق = ۳۰۱،

۵۹۴۔ **مجموعہ** (عربی ص ۳۵۱)۔ یہ مجموعہ حسب ذیل چھ رسالوں پر مشتمل ہے:

(۱) مواقع النجوم، تالیف محی الدین بن العربی (متوفی سنہ ۶۳۸ھ) سنہ تالیف سنہ ۶۰۶ھ تاریخ کتابت سنہ ۶۵۳ھ

واتفق تحریر هذه النسخة یوم السبت وقت الضحی فی محرم سنة ثلث وخمسین وستمایة بقریة جوشقان علی یدی صاحبها العبد الفقیر الی رحمة الملك الکبیر محمود بن علی بن ابی بکر بن احمد بن ابی المظفر الجوشقانی الاسفراینی۔

(۲) کتاب القربة ابن عربی،

(۳) اللوامع الغیبیة در معنی روح ابو عبد اللہ عمر بکری سہروردی،

(۴) جواب مسائل ائمہ خراسان،

(۵) مکتوب با امام فخر رازی،

(۶) رسالہ امام سعد حموی با بن الغربی و چند مکتوب دیگر،

تاریخ کتابت سنہ ۶۵۳ھ، عدۂ اوراق = ۱۱۰ نہایت اہم نسخہ ہے،

۵۹۸۔ **مجموعہ** (عربی ص ۳۵۴)۔ مشتمل بر ہفت رسالہ:۔

۱۔ فواتح الجمال، تالیف شیخ نجم الدین کبریٰ (مقتول سنہ ۶۱۸ھ) تاریخ کتابت سنہ ۷۰۹ھ

۲۔ رسالۃ الہائم

۳۔ تحفۃ البررۃ فی المسائل العشرہ، تالیف احمد بن علی بن مہذب بن نصر،

۴۔ رسالہ در عشق و عقل نگارش شیخ نجم الدین رازی صاحب مرصاد العباد، اس کی تاریخ کتابت سنہ ۷۰۴ھ ہے،

۵۔ سہ مکتوب فارسی و عربی مجد الدین بغدادی و محمود عراقی

۶۔ کتاب التعرف لمذہب التصوف، تالیف ابوبکر بن اسحاق کلابادی (نسخہ ناتمام)

۷۔ رسالہ ماہیۃ الصلوٰۃ، تالیف ابن سینا، تاریخ کتابت سنہ ۶۶۹ھ، تعداد اوراق = ۲۴۵

یہ مجموعہ بھی نہایت درجہ اہم و بیش قیمت ہے،

۵۹۹۔ **مجموعہ** (عربی ص ۳۵۶)۔ یہ بارہ رسالوں پر مشتمل ہے جن میں پہلا منطق پر ہے، جس کی کتابت نوح بن یوسف بن علی سیرافی کے ہاتھوں محرم سنہ ۵۷۰ھ میں ہوئی، دوسرا المسائل الحکمیہ، تالیف ابن سینا، تاریخ کتابت سنہ ۵۷۰ھ۔ تیسرا رسالہ شیخ الرئیس، چوتھا جواب ابی سعید احمد بن علی، اس کا کاتب بھی سیرافی ہے۔ پانچواں مخارج الحروف بھی شیخ الرئیس کا ہے، تاریخ کتابت سنہ ۵۶۹ھ۔

اور کسی حصے پر تاریخ کتابت درج نہیں، نہایت اہم اور قدیم مجموعہ ہے، اوراق ۱۴۴

۶۲۱۔ **مجموعہ** (فارسی ص ۲۷۴)۔ ۲۳ کتابوں اور رسالوں پر مشتمل یہ مجموعہ ہے جس کا جزو پنجم رسالہ در باب نسکار ہے، اور جس کے مؤلف حسین حسنی طبسی ملقب بصدر جہاں نے سلطان ابراہیم قطب شاہ کے لیے سنہ ۹۶۰ھ میں تالیف کیا تھا، جزو دہم تحفہ شاہیہ جس کے

ضمن میں مامون کے عہد میں صالح بن بہلہ ہندی طبیب کا ذکر آیا ہے، جزو شانزدہم، منتخب کیمیائے سعادت ہے، جس کا انتخاب بابا افضل کاشانی نے کیا تھا،

۶۳۰۔ **مجموعہ** (عربی ص ۳۸۸)۔ شامل ۱۵ کتاب و رسالہ جن میں جزو ہفتم خواجہ نصیر طوسی کی تجرید الاعتقاد ہے، اس کے صفحہ اول کی پشت پر حسب ذیل عبارت خود خواجہ نصیر کی لکھی ہوئی ہے:

قَرَءَ عَلَیَّ ھٰذا الکتاب وھو کتاب تجرید الاعتقاد صاحبہ قرائۃ مستوضح لمبانیہ وقواعدہ مستشرح لمعانیہ ومقاصدہ وکتب مولف الکتاب محمد بن الحسن الطوسی اعانہ اللہ علی مراضیہ ووفقہ لطاعتہ وغفر لہ خطایاہ وعفا عنہ ...... ذالک بمدینۃ السلام بغداد ... الخامس والعشرون من ربیع الاول سنۃ تسع وستین وستمایۃ ہجریۃ ہلالیۃ

جزو ۱۲، کشف المراد فی شرح تجرید، تالیف علامۂ حلی (متوفی ۷۲۶ھ) صفحہ اول پر حسب ذیل عبارت بخط مولف موجود ہے،

کتاب کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد املاء العبد الفقیر الی اللہ حسن بن یوسف بن مطہر غفر اللہ لہٗ

اس کے نیچے علامہ حلی کے لڑکے کا دستخط ہے، اور آخر میں پھر علامۂ حلی کا خط ہے،

کتب العبد الفقیر الی اللہ تعالیٰ حسن بن یوسف بن مطہر مصنف الکتاب الخ

اس لحاظ سے یہ مجموعہ اہم ہے،

۶۳۳۔ **مجموعہ** (فارسی و عربی ص ۳۹۴)۔ یہ مختلف حکایات و نوادر و منتخبات نظم و نثر پر مشتمل ہے، اس کا کاتب ابوالفضل محمد بن محمود بن علی بن سدید ہے، اور سنہ کتابت ۵۹۵ھ ہے،

۶۳۴۔ **مجموعہ** (عربی ص ۳۹۵) یہ مجموعہ فارابی، ابوسلیمان سجزی، ابن سینا، ارسطو،

ابوعلی مسکویہ، یعقوب اسحاق کندی، امام غزالی، عمر خیام اور چند مصنفین کے ۳۴ چھوٹے رسالوں پر مشتمل ہے، اس کا جزو ۲۲ عمر خیام کے رسالۂ فی الوجود سے متعلق ہے، اور کافی اہم ہے،

۶۴۰۔ **مجموعہ** (فارسی ص ۴۰۶)۔ یہ ۱۷ رسائل کا مجموعہ ہے، جس میں عمر خیام کا رسالہ کلیات حکمت کے متعلق بہت اہم ہے، اس کو مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی تالیف خیام کے ساتھ چھاپ دیا ہے، مگر جو نسخہ ان کے پاس تھا، وہ ناقص تھا،

۶۴۲۔ **مرصاد العباد** (فارسی ص ۴۲۶)۔ شیخ نجم الدین رازی کی یہ اہم تصنیف کئی بار چھپ چکی ہے، مگر یہ نسخہ کافی اہم ہے، اس لیے کہ اس کی تاریخ تصنیف ۶۲۰ھ اور یہ نسخہ ۶۹۸ھ میں لکھا گیا ہے،

۶۴۳۔ **مجموعہ** (عربی ص ۴۶۶)۔ اس مجموعہ میں تین رسالے ہیں جن میں تیسرا رسالہ بیون برہمی ہند اس طرح شروع ہوتا ہے:

"لما قدم بیون البرھمی من الھند زائراً بیت المقدس الشریف"

۶۵۵۔ **تسلیۃ الاخوان** (فارسی ص ۴۷۴)۔ عطا ملک جوینی صاحب جہانکشای جوینی کی یہ تالیف نہایت نادر ہے، اس کا ایک نسخہ کتابخانۂ ملی پاریس میں بھی ہے جس کی اطلاع تاریخ جہانکشا کے مقدمہ میں مرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے دی ہے، اوراق ۳۴

۶۶۱۔ **شرح الاسماء الحسنیٰ** (عربی ص ۴۸۵)۔ خدا کے ناموں کے خواص میں یہ کتاب عبد العزیز بن نصیر نے لکھی تھی، یہ نسخہ مولف کتاب ہی کا لکھا ہوا ہے،

فہرست جلد دوم

تفسیر آیۃ الکرسی (فارسی ص ۱۶) دسویں صدی ہجری میں کسی عالم نے یہ تفسیر لکھی ہے، نسخہ زیر نظر ۹۶۲ھ کا تحریر ہے، کسی دوسرے نسخے سے مقابلہ بھی کیا گیا ہے، مولف کی نظر سے بھی یہ نسخہ گزرا ہے، دوسرے اور تیسرے ورق پر مولف کے ہاتھ کا حاشیہ بھی ہے،

پہلے صفحہ کی پشت پر ایک یادداشت عبد الرشید کے دستخط کی ہے، اور ۱۰۳۶ھ بھی درج ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط عبد الرشید تتوی مولف فرہنگ رشیدی کا ہوگا، شمارہ اوراق = ۲۳

۸۱۱۔ **تفسیر ابوالفتوح** (فارسی ص ۴۴) ابوالفتوح رازی کی اہم فارسی تفسیر مرزا محمد قزوینی کے اہتمام سے شائع بھی ہو چکی ہے، یہ نسخہ اگرچہ ۱۰۵۰ھ کا لکھا ہوا ہے، مگر اس کا اصل نسخہ ۶۱۵ھ کا تھا جو ۱۰۰۰ھ میں قاضی نور اللہ شوستری کے زیر مطالعہ رہ چکا تھا، اسی نسخہ کا ایک جزو اس نسخے سے منقول ہے، جو ۸۶۷ھ میں کتاب خانہ آستانۂ قدس رضویہ مشہد میں وقف ہوا تھا، اس تفسیر کا سنہ تالیف ۵۵۶ھ کے قریب ہوگا، اور اسی سنہ کا لکھا ہوا ایک نسخہ کتابخانہ آستانہ میں محفوظ ہے،

۸۱۷۔ **المبسوط فی قرات السبع** (عربی و فارسی ص ۲۰)۔ اس کتاب کا مولف محمد بن محمود بن محمد بن احمد بن علی شریف سمرقندی (ہمدانی الاصل) متخلص بحافظ ہے، اس کا نانا سید ابوالقاسم محمد بن یوسف الحسینی مدنی سمرقندی (مولف کتب زیادہ) تھا، زیر نظر نسخہ ۸۶۵ھ اور ۸۶۹ھ کا نوشتہ ہے، کل اوراق ۱۱۹ ہیں، اس کا ایک نسخہ (۱۰۱۹ھ) کتابخانہ مشہد میں بھی ہے (ج ۲ ص ۲۳۴)

۸۸۱۔ **شرح معمیات** (فارسی ص ۱۲۸) شرح معمیات میرحسین[1] کا مولف محمد ابن علی نوذ اکی ہے جو دسویں صدی ہجری میں گذرا ہے، یہ نسخہ ۹۷۴ھ میں خود مولف کی حیات میں لکھا گیا ہے، اوراق ۱۱۷،

۸۸۵۔ **منتخب حلل مطرز در معما و لغز** (فارسی ص ۱۳۰)۔ اس کا مولف شرف الدین

[1] میر حسین بن محمد حسینی شیرازی نیشاپوری متوفی ۹۰۴ھ (کشف الظنون ج ۲ ص ۷۶۴)

علی یزدی (متوفی ۸۵۸ھ) صاحب ظفر نامہ تیموری ہے، منتخب حلل مطرز کو ابراہیم سلطان کے نام پر لکھا ہے، زیر غور نسخہ ۸۷۷ھ کا ہے اور ۹۲۵ھ کی یادداشت بھی ہے، اوراق ۱۸۱

۸۹۷۔ **تذکرۂ اسحق** (فارسی ۱۵۲) اسحاق بیگ متخلص بہ عذری لطف علی آذر مولف آتشکدہ کا چھوٹا بھائی تھا، یہ تذکرہ آتشکدہ کی نئی ترتیب ہے، زیر نظر نسخہ ۱۲۱۷ھ کا رقمیہ ہے، اوراق ۲۰۰ ہیں۔

۹۲۱-۹۲۳ **خمسۂ امیر خسرو**	متن خمسہ نظامی، حاشیہ خمسۂ امیر خسرو، و خمسۂ خواجو
″ **نظامی**	(فقط روضۃ الانوار و ہمای و ہمایون) بخط نستعلیق
″ **خواجو**	روح اللہ بن علی بن عماد الاسلام جمال الاسلامی

سال ۸۲۴ھ عنوان بخط ثلث محمود بن محمد،

۹۴۲۔ **دیوان ارسلان** (فارسی ص ۲۱۶) قاسم مشہدی متخلص بارسلان (متوفی ۹۹۵ھ) ہندوستان آیا تھا، اور اکبر کے نوازشات سے بہرہ یاب ہوا تھا، اس کے دیوان کا یہ نسخہ مولف کے زمانہ کا ہے، امکان اس کا بھی ہے کہ خود مولف کے ہاتھ کا ہو، اوراق ۳۴

آغاز: ساقی زعکس می شدہ روشن ضمیرما :: جامی بدہ کہ عارف جام است پیرما

۹۴۶۔ **دیوان الفت اصفہانی** (فارسی ص ۲۲۳) اس کو خود شاعر نے ۱۲۹۹ھ میں لکھا ہے، اوراق ۱۶۶

۹۵۲۔ **دیوان اوجی نطنزی** (ص ۲۳۳)۔ اوجی (متوفی ۱۰۵۰ھ) کا یہ دیوان ۱۰۴۲ھ میں عبد الرشید خطاط (خواہرزادۂ میر عماد) نے لکھا تھا، اوراق ۷۵

۹۵۷۔ **دیوان محسن تاثیر** (ص ۲۳۸) یہ نسخہ شاعر کی وفات یعنی ۱۱۲۹ھ کے قبل تحریر ہوا، اوراق ۳۰۴

۹۶۴- **دیوان حاجی ابرقوہی** (ص ۲۵۱) دسویں صدی ہجری کا ایک شاعر تھا، جو ابرقوہ (بفاصلہ ۲۲ فرسخ بسمت شمال شرقی) کا باشندہ تھا، دیوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاجر پیشہ تھا، اور بعد میں ہندوستان چلا آیا تھا، اور یہاں کے بادشاہوں کی مدح کی، محمد قلی قطب شاہ کی مدحیہ قصیدہ میں لکھتا ہے:

شہا در دکن بندہ سی سال گشتم ز حکم قضا و با مر الٰہی

اپنی مثنوی ناظر و منظور میں اپنے ہندوستان جانے کا واقعہ بیان کیا ہے، حاجی نے اپنا دیوان ہندوستان کے خوانین میں سے ایک خان مسمی بہ مصطفٰے خاں کے اشارہ سے مدون کیا تھا،

دیوان کا یہ نسخہ بڑے عمدہ نستعلیق خط میں ہے، اور ۹۷۳ھ کے بعد تحریر ہوا ہے، بعض اوراق درمیان سے غائب ہو چکے ہیں، اوراق = ۱۱۰

۹۶۵-۹۶۹ **دیوان حافظ** (ص ۲۵۴)۔ ایک نسخہ ۸۵۸ھ کا اور دوسرا ۸۹۵ھ کا ترقیمہ ہے، آخرالذکر سلطان علی مشہدی کا خط ہے،

۹۷۶- **دیوان خاقانی** (۲۷۱) دیوان خاقانی کا یہ نہایت قدیم نسخہ ہے، گمان غالب یہی ہے کہ خود شاعر کی حیات میں یعنی اواخر قرن ششم کا نوشتہ ہو، اوراق ۲۶۵۔

۹۷۳- **دیوان حمید ہمدانی** (ص ۲۶۵)۔ یہ صفوی عہد کا شاعر تھا، نسخۂ زیر نظر ۱۱۲۶ھ کا ترقیمہ ہے، ممکن ہو کہ خود شاعر کی زندگی ہی میں تحریر ہوا ہو، اوراق ۹۵

۹۸۶- **دیوان رفیع الدین لبنانی** (ص ۲۸۵)، رفیع الدین قرن ششم کا قابل ذکر شاعر تھا، اس کے معاصرین میں جمال الدین اصفہانی تھا، دونوں کے ممدوح رکن الدین صاعد

قاضی اصفہان و صدر الدین خجندی رئیس شافعیہ اصفہان تھے، دیوان کا یہ نسخہ نایاب ہے، اور ۱۰۰۱۳ بیت پر مشتمل ہوگا، اوراق ۴۸

۹۸۸- **دیوان روح الامین** میر جملہ اصفہانی (ص ۲۸۹) روح الامین (۹۸۱ھ - ۱۰۴۷ھ) ۲۹ سال کی عمر میں ہندوستان چلا آیا اور عہد جہانگیری و شاہجہانی میں مقرب بارگاہ رہا، دیوان کا یہ نسخہ غزلیات پر مشتمل ہے، اوراق ۱۴۴

۹۹۴- **دیوان سلمان ساوجی** (ص ۳۰۰) یہ نسخہ ۸۵۰ھ کے قریب تحریر ہوا، اوراق ۲۵۴

۱۰۰۷- **دیوان صائب تبریزی** (ص ۳۲۴) یہ نسخہ خود صائب کے ہاتھ کا ہے، ملک الشعرا محمد تقی بہار کے اس سلسلے کے ملاحظات قابل غور ہیں، اوراق ۴۴۰

۱۰۱۸- **دیوان طالب آملی** (ص ۳۴۱) طالب آملی ملک الشعرائے عہد جہانگیری کے دیوان کا یہ نسخہ ۱۰۴۹ھ کا نوشتہ ہے، اوراق ۲۵۱

۱۰۲۶- **دیوان عرفی** (ص ۳۵۰) عرفی کے دیوان کا یہ کامل نسخہ ہے، جس کو سراجائے اصفہانی نے خان خاناں کے حکم سے مرتب کیا تھا، اس پر عبدالباقی نہاوندی صاحب مآثر رحیمی نے دیباچہ لکھا تھا، یہ دیباچہ بھی اس نسخہ کے ساتھ ملحق ہے، نسخہ خوش خط ضرور ہے مگر اغلاط بھی ہیں، دیباچے کے بعض صفحے کرم خوردہ ہیں، اور درمیان سے بھی چند ورق غائب ہیں، اس ترتیب کا ایک نسخہ پروفیسر محمد شفیع (پنجاب) کے پاس بھی ہے، اس میں بھی عبدالباقی نہاوندی کا دیباچہ شامل ہے، اوراق ۴۱۰

۱۰۲۸- **دیوان عصمت** (ص ۳۵۴) عصمت بخارائی (متوفی ۸۴۰ھ) کے دیوان کا یہ نسخہ نہایت عمدہ خط نستعلیق میں جلال غیاث فرح اللہ کے ہاتھ کا ہے، بظاہر قرن نہم کے وسط میں تحریر ہوا ہوگا۔

۱۰۳۰۔ **دیوان عماد فقیہ** (ص ۵۹۰) عماد فقیہ کرمانی کا یہ نسخہ غالباً اواخر قرن ہشتم کا ہے، مدرسہ سپہ سالار میں ۷۹۱ھ میں لکھا گیا ہے، نہایت نفیس نسخہ ہے، اوراق ۲۱۲

۱۰۳۵۔ **دیوان فانی** (ص ۲۶۷) امیر علی شیر نوائی (۸۴۴ھ۔۹۰۶ھ) کے دیوان کا یہ نسخہ ۹۰۱ھ اور ۹۰۶ھ کے درمیان لکھا گیا ہے، اوراق ۱۷۶

۱۰۴۹۔ **دیوان کمال اسمٰعیل** (ص ۳۰۷) خلاق المعانی کمال اصفہانی (مقتول ۶۳۵ھ) کے دیوان کا یہ نسخہ ۷۲۵ھ کا ہے، اس کے بعض اوراق کچھ بعد کے ہیں، اوراق ۳۵۲،

۱۰۹۵۔ **ستہ داعی**
۱۰۹۶۔ **قدسیات** } (ص ۴۶۴) نظام الدین محمود حسینی شیرازی مشہور بہ "شاہ داعی الی اللہ" (یکی از عرفاے قرن نہم ہجری) کے دیوان (ستہ) اور قدسیات کے یہ نسخے کافی اہم ہیں، داعی نے ۸۷۰ھ میں وفات پائی ہے، ان کا مزار شیراز کے جنوب غرب میں ابھی تک مرجع خلائق ہے، شمارہ اوراق دیوان = ۱۵۵

۱۱۲۷۔ **شرح قصیدہ بردہ** (ص ۵۲۴) قصیدہ بردہ جو الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ کے نام سے موسوم ہے، شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن سعید بوصیری کی تصنیف ہے (۶۰۸ھ۔۶۹۶ھ) اس کی غیر معمولی شہرت کی بنا پر بہت سے لوگوں نے اس کی شرحیں کی ہیں، زیر غور نسخہ بھی قصیدہ بردہ کی شرح ہے، شارح محمد بن نصیر مشہور بہ شمس امام ہے، اس کا کاتب برہان عبد اللہ موذن اور سال کتابت ۸۸۲ھ ہے، ایک دوسرے کاتب نے ۹۹۲ھ میں حاشیہ میں ہر بیت کا دوسری طرح پر ترجمہ دیا ہے،

یہ نسخہ خاصا قدیم ہے، قیاس ہے کہ خود شارح کی حیات میں تحریر ہوا ہے، اوراق ۲۳۴

۱۱۳۲۔ **کلیات اہلی** (ص ۵۳۶) اہلی شیرازی (متوفی ۹۴۲ھ) کے دیوان کا یہ نسخہ عجب نہیں کہ مولف کی نظر سے گذرا ہو اور ص ۵۹۱، ص ۶۲۰ کے حواشی اسی کے ہاتھ کے ہوں، اوراق ۳۲۸

۱۱۴۶۔ **بوستاں** (ص ۵۹۰)۔ بوستان سعدی کا یہ نسخہ میر عماد خطاط نے اعتقاد خاں کی فرمائش پر لکھا تھا، اوراق ۲۰۵

۱۱۷۱۔ **لیلیٰ و مجنون مثالی** (ص ۶۳۶)۔ مثالی کاشانی نے بقول سام مرزا خمسۂ نظامی کا جواب لکھنا چاہا تھا، مگر کامیاب نہ ہو سکا، صرف لیلیٰ و مجنوں مثنوی کو ۸۹۷ھ میں تمام کیا، زیر بحث نسخہ ۹۰۴ھ میں خود مولف نے لکھا ہے، آخری عبارت یہ ہے:

"سودہ العبد مثالی الکاشانی فی منتصف شہر رمضان
المبارک سنہ اربع وتسع مائۃ"

گلہائے پریشاں

آراستہ الیاس احمد (ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج)، ضخامت کتاب ۵۰۸ صفحات، تقطیع بڑی، قیمت ۷ روپیہ ۵۰ نئے پیسے، ملنے کا پتہ: کتابستان، الہ آباد،

"گلہائے پریشاں" فارسی اور اردو شعراء کے چوٹی کے کلام کا بے مثل گلدستہ ہے، آغاز عشق سے انجام عشق تک جتنے مراحل پیش آتے ہیں، ان کے متعلق سرخیاں قائم کی گئی ہیں، اور چیدہ چیدہ متحد المضامین اشعار ہر سرخی کے تحت میں تقدم اور تاخر کے لحاظ سے درج ہیں، مراحل محبت کی سرخیوں کے علاوہ خمریات، مذہبیات، اخلاقیات وغیرہ کے متعلق بکثرت سرخیاں ہیں، اگر کسی شعر کے متعلق کوئی لطیفہ ہے تو وہ بھی درج کر دیا گیا ہے، اساتذہ سابق کی تیس تصویریں بھی کتاب میں شامل ہیں، اردو ادب میں یہ کتاب ایک دلکش و دلفریب اضافہ ہے، اہل ذوق ملاحظہ فرمائیں،

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اثارِ علمیہ

مکاتیب مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

بنام

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲۱)

برادرم شاہ معین الدین صاحب ندوی، دعائے خیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - آپ کے دو کارڈ ملے، بہتر ہے یہ شذرات آیندہ و دیجئے گا،

تاریخ اسلام جلد اول واپس جا رہی ہے آپنے اس کی تصحیح نہیں کی، اس کی جلد تصحیح کرلیں، اسی لیے میں نے کہا تھا کہ کتابوں کی تصحیحات پہلے سے تیار کر لیا کیجئے، عین وقت پر دشواری ہوتی ہے،

مولوی ظفر احمد صاحب کے دو مضمون جاتے ہیں آپ ایک ایک کرکے دیجئے، ایک نظم امجد صاحب کی ہے،

معارف کا جو پرچہ اس سے پہلے شائع ہوا تھا، وہ اچھا لکھا اور چھپا تھا، مگر یہ پرچہ تو پھر خراب لکھا اور چھپا ہے، آپ گذشتہ پرچہ کو سامنے رکھ کر مطالبہ کیجئے کہ ایسا لکھا جائے اور چھاپا جائے،

آپ کا مضمون افغانستان جاتا ہے تذکرۃ الحفاظ ہی کی دوسری یا تیسری جلد میں ایک محدث کا نام ہے جنھوں نے کابل میں اسلام کی اشاعت کی، آپ تذکرۃ الحفاظ نکال کر دیکھئے تاکہ اس جلد کے خالی صفحوں پر اپنی عادت کے مطابق غالباً میں نے حوالہ نوٹ کر دیا ہے، اس مضمون کو اور مولوی ابوظفر صاحب والے سندھ کے مضمون کو اسلم صاحب کو دیجئے کہ صاف کر دیں،

افسوس کہ صباح الدین صاحب بیمار ہیں، کون ان کو انگریزی کرے، اسی بیچارہ کے بھروسے ایسے ایسے کاموں کو لے لیتا تھا،

آپکے لیے تاریخ یمینی مع شرح جو عتبی کے نام سے مشہور ہے اور یمین الدولہ محمود غزنوی کی مفصل تاریخ ہے ایک صاحب سے بمبئی میں لے لی ہے، مولوی عبد السلام صاحب "الانسان الکامل" ڈھونڈ رہے تھے، یہاں نسخہ ملا، وہ اُن کے لیے لے لیا ہے، میں ہی بھیجونگا،

برادرم اسلم کا وہاں ہونا مشکوک معلوم ہوتا ہے، شاید پٹنہ گئے ہوں، اسی لیے ان کو خط نہیں لکھا، مولوی ناظم صاحب بھی معلوم نہیں ہیں یا گئے؟ ہوں تو بعد سلام کہدیجئے کہ ان کو جواب اطمینان سے دوں گا،

والسلام

سید سلیمان اپریل ۴۷ء

(۲۲)

برادر عزیز اعزکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - آپ کا کارڈ ملا، میں اس سفر میں جو لکھنؤ اور اعظم گڈھ کا ہوا تھا، شاید تداخل موسم یا کھانے کی بے احتیاطی سے بیمار سا ہو گیا، اور ایک ماہ تک اس کا سلسلہ جاری رہا، کل تو درد گردہ کی بھی کچھ کھٹک ہو گئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے خیر فرمائی، اور آج بالکل اچھا اپنے کو محسوس کرتا ہوں، بلکہ کل بذریعہ کار اندور کا عزم رکھتا ہوں، وہاں مسلمان طلبہ

کی طرف سے دعوت ہے، کل صبح جاؤں گا اور پرسوں واپس آجاؤں گا۔

ہندوستان کی سیاست کا اثر ہر ریاست پر پڑ رہا ہے، یہاں بھی کچھ پبلک نمائندے وزارت کی مسند پر بٹھائے جائیں گے، چنانچہ تعلیمات و داخلیہ جو پہلے شعیب قریشی کے سپرد تھا، سردست تو مدار المہام کے سپرد ہو گیا ہے، جو ہندو ہے، اور شعیب صاحب وزارت سیاسیہ میں چلے گئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ کون ان کی جگہ پر آتا ہے، اور اس کے تعلقات میرے ساتھ کیسے قائم ہوتے ہیں، بہرحال مجھے تو ابھی چند ماہ گذارنے ہیں، والامر بید اللہ تعالیٰ۔

غالباً مولوی مسعود علی صاحب وطن چلے گئے ہوں، اور کئی ماہ کے لیے گئے ہیں، اس زمانہ میں نگرانی کا کام معلوم نہیں کس کے سپرد کر گئے؟

مولوی وحید احمد نے لکھا ہے کہ وہ آپ کے زیر نگرانی مطالعہ کا کام کر رہے ہیں، مولوی مسعود علی صاحب کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ وہ اور آپ بھی ان سے غیر مطمئن ہیں، صورت حال سے مطلع فرمائیں، اور اپنی رائے لکھیں۔

بحمد اللہ یہاں خیریت ہے، بجز اس کے کہ کھانے کو نہیں ملتا، اب اس مہینہ سے ایک ثلث گیہوں، ایک ثلث چنا اور ایک ثلث جوار کا حکم ہوا ہے۔

دار المصنفین کے حالات سے گاہ گاہ مطلع کرتے رہیں، والسلام

سید سلیمان، ۲۰ر اپریل ۱۹۴۷ء

(۲۳)

برادر عزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا لفافہ مع کاغذات ملا، گورنمنٹ آف انڈیا کا جواب تیار کیا جا رہا ہے، جس امر کے لیے آپ نے لکھا ہے، مجھے اس سے اتفاق ہے، بشرطیکہ صاحب موصوف منظم و باقاعدہ زندگی

اختیار کرنے کی کوشش کریں، مولوی صاحب کو میں بھی لکھوں گا،

حیدرآباد کے جواب میں کہیں کہیں غلطیاں رہ گئیں، مولانا حمید الدین صاحب نظام کالج کے پرنسپل نہیں، بلکہ دار العلوم کے پرنسپل تھے،

الحمد للہ خیریت ہے، اب ایک تہائی گیہوں، ایک تہائی بونٹ اور ایک تہائی جوار کا راشن ہوا ہے، یہاں پبلک وزراء، انٹریم گورنمنٹ بھوپال کے مقرر ہوئے ہیں، دیکھئے کیسا کام کرتے ہیں،

دار المصنفین کے احوال سے مطلع کرتے رہیے، برادرم اکرم سے سلام کہدیجئے، خیریت ہے،

والسلام، سید سلیمان، ۱۶ر اپریل ۱۹۴۷ء

(۲۴)

برادرم زادکم توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یاد ہوگا کہ جاڑوں میں آپ کو فتح سندھ و افغانستان کا مضمون بھیجا تھا کہ اس کو انڈین ہسٹری کانگریس میں بھیجدیں، آپ نے مجھے لکھا تھا کہ آپ نے نیاز صاحب سے انگریزی ترجمہ کرا کے بھیجدیا ہے، غالباً دلی کے پتہ سے آپ نے بھیجا تھا، رجسٹری کی رسید آپ کے پاس ہوگی، اس کے نشان سے ڈاکخانہ کو لکھیے، وہ رجسٹری مکتوب الیہ کو نہیں پہنچی، جیسا کہ اس مرسلہ انگریزی خط سے آپ کو معلوم ہوگا، دیکھئے، اگر اس کی نقل آپ کے پاس ہو تو صاف یا ٹائپ کرا کے دوبارہ ان کے پاس اس کو الہ آباد کے پتہ سے بھیجدیجئے، تاکید جانئے، ٹائپ کی اجرت دفتر سے دلوا دیجئے گا۔

مولوی ابو الجلال صاحب کے متعلق مولوی مسعود علی صاحب کا بھی خط آیا ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ انھیں رکھ لیں، میں ارکان کو لکھوں گا،

الحمد للہ خیریت ہے، برادرم اسلم سلمہٗ واپس آ گئے ہوں گے، سلام کہئے، علی حسن اب تک نہیں آیا، سلیم کے آج کل آنے کی خبر ہے،

والسلام

سید سلیمان، ۲۲ راپریل ۱۹۴۷ء

(۲۵)

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے، اس وقت ملک کے خونی مناظر سے دل خون ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، بحمد اللہ کہ یہاں پر امن و امان ہے، دعا کیجئے کہ وہاں بھی ہو، حج کے راستے اسوقت تک بند ہیں، نہ دہلی جا سکتے، نہ سہارنپور اور نہ کراچی، اور ہمارے ٹکٹ کراچی سے ہیں، سید حسین کو بھی ابھی تک رخصت نہیں مل سکی، اس لیے ناامیدی بڑھتی جاتی ہے،

الحمد للہ کہ آپ مع الخیر واپس آ گئے، اسلم اور صباح الدین کو خط لکھے تھے، جواب نہیں آیا، مولوی مسعود علی صاحب کے نام رجسٹری بھیجی تھی، رسید کی اطلاع نہیں ملی، اس میں ایک چک بھی تھا،

اس زمانہ میں میرے چند مضامین چھپے ہیں، ایک مقدمہ مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کے سوانح کے جدید اڈیشن پر، دوسرا مکتبۂ دین و دانش پٹنہ سے اسلامی سیاسیات پر، یہ وہ مضمون ہے جو پہلے مسلسل معارف میں چھپا تھا، تیسرا مضمون مولانا عمادی پر لکھا ہے، جس کو اڈیٹر کے نام بھیجوں گا، وفیات میں چھپے گا، ان دونوں مذکورہ مقدموں کو ان کتابوں سے لیکر معارف کے مقالات میں چھپوا دیجئے کہ یادگار رہے،

خیال ہے کہ ملک کی بدامنی اور بے اطمینانی کا اثر دار المصنفین اور معارف پر ضرور پڑا ہوگا، رفقا کو سلام کہہ دیجئے، برادرم اکرم کو بھی سلام کہہ دیجئے اور خط دکھا دیجئے، سہارنپور میں خیریت ہے، کل خط آیا تھا۔

والسلام سید سلیمان، ۱۳ ستمبر ۴۷ء

مطبوعات جدیدہ

ارمغان علمی - مرتبہ ڈاکٹر سید عبد اللہ پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی، تقطیع بڑی ضخامت ۵۱۶ صفحات، کاغذ اعلیٰ، ٹائپ خوبصورت، قیمت ۵ع پتہ: مجلس ارمغان علمی لاہور۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کے علمی کارنامے اہل علم میں تعارف سے مستغنی ہیں، ان کی پوری زندگی علم و فن کی خدمت اور علمی و تحقیقی کاموں میں گذری، انکے کارنامے کسی طرح فضلائے مغرب کے کارناموں سے کم نہیں، انھوں نے بہت سے فاضلانہ مقالات لکھے، اور عربی و فارسی کی متعدد اہم اور نایاب کتابوں کو تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا، اور اپنے تلامذہ میں تحقیقی کام کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا کر دی، ان کے تلامذہ نے ان کے علمی کارناموں کے اعتراف میں علمی و محققانہ مضامین کا یہ مجموعہ ارمغان علمی کے نام سے استاد کی خدمت میں پیش کیا ہے جو ہندوستان و پاکستان اور مشرق و مغرب کے نامور علماء کے مضامین پر مشتمل ہے، یہ مضامین اردو، انگریزی، عربی، فارسی، فرنچ وغیرہ مختلف زبانوں کے ہیں، ان کی فہرست یہ ہے۔ اردو کے مضامین روضۃ السلاطین، قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی، عربی زبان کی اہمیت، استاذ محمد المامون ارزنجانی، اکبر کی دربار میں جین سادھو، ڈاکٹر بنارسی داس، ہندوستان کے علما اور ان کی عربی تصانیف، ڈاکٹر زبید احمد، آٹھویں صدی ہجری کے اندلسی شعرا کا ایک تذکرہ، مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی، ذال معجمہ فارسی میں ڈاکٹر عبد الستار صدیقی، استاد بزرگ میری نظر میں، ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ، نجیب الدین

جرباذ آقائی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، پرنسپل شفیع کے چند علمی مکتوبات، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، کعبہ شریف، ڈاکٹر غلام یزدانی، فیضی کا نظریۂ شعر، ڈاکٹر وحید قریشی، تاریخ طاہری جناب سید ہاشمی، فارسی کے حسب ذیل مقالات ہیں، فارسی زبان کا ایک قدیم ترین نسخہ آقائے عبدالحیٰ تاریخچہ ہلال دستارہ آقائے عبدالحیٰ حبیبی، نوآموزوں کی تعلیم قرآن ڈاکٹر علی اصغر حکمت، تحقیق نسب امیر تیمور ڈاکٹر احمد زکی ولیدی طوغان، فارسی اشعار کے قدیم ترین مجموعے، پروفیسر سعید نفیسی، قدیم ترین فارسی کا موجود نمونہ، آقائے ڈاکٹر مہدی بیانی، عربی کے حسب ذیل مضامین ہیں:۔ اسلام اور تہذیب جدید میں انسانی ضمیر استاد عبدالوہاب حمودہ، قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی ثقافت کے زوال کے اسباب، استاد احمد سید، ہمارا اسلامی ورثہ اور جدید فنون کی تولید میں ان کی تجدید اور ان سے استفادہ، استاد عباس خضر، اسلام اور انسانی تہذیب، انگریزی کے مضامین حسب ذیل ہیں: آقا رضا مصور، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، الغزالی اور مسائل تعلیم، پروفیسر محمد ابراہیم ڈار، یمن کی تلاش کا مختصر جائزہ، ڈاکٹر احمد فخری، معتزلہ کی تحریک کے متعلق کچھ غیر مطبوعہ رسائل پروفیسر فنک، بغاوت نورپور اور محاصرہ تاراگڑھ، ڈاکٹر کوسٹر، شمس تبریز ملتانی پروفیسر ایوٹیو، اسلامی تعلیم ایس ایم جعفر، ابن سینا کا ایک رسالہ روح پر، ڈاکٹر صغیر حسن معصومی، تیموری ترکمانی جنگ، پروفیسر منورسکی، خسرو اور ابن بطوطہ، ڈاکٹر وحید مرزا، ہرن منارہ شیخ پورہ احمد ربانی، رشید وطواط کے سوانح اور اس کی علمی سرگرمیاں، ڈاکٹر سخاء اللہ، اسلام سے پہلے کی عربوں کی طب، ڈاکٹر زبیر صدیقی، اقبال اور آزاد خیالی، ڈاکٹر رضی الدین۔ ان کے علاوہ پروفیسر عدنان، پروفیسر ارسلان، پروفیسر اوٹو اسپیز، اور پروفیسر عثمان توران کے دوسری مغربی زبانوں میں مضامین ہیں، ان پر تفصیلی تبصرہ طویل ہوگا، بیشتر مضامین محققانہ ہیں، اور فائدہ سے تو کوئی بھی خالی نہیں، کتاب کے شروع میں فاضل مرتب کے قلم سے پروفیسر

شفیع کے حالات اور ان کے علمی خدمات کی مختصر فہرست ہے، اس طرح یہ مجموعہ اصحاب علم کے لیے واقعی ایک علمی ارمغان کی حیثیت رکھتا ہے۔

تجرید صحیح بخاری ترجمہ اردو — مترجمہ مولانا ابوالفتح صاحب عزیزی، تقطیع بڑی، ضخامت ۵۲۰ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۶ شے

پتہ: محمد سعید اینڈ سنز ناشران وتاجران کتب، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی نے حدیث کی مشہور کتابوں کے اردو ترجمے کا مفید سلسلہ شروع کیا ہے، اور اب تک کئی کتابوں کے ترجمے شائع کر چکے ہیں، مذکورہ بالا کتاب علامہ حسین بن مبارک زبیدی کی تجرید بخاری کا ترجمہ ہے، جسے علامہ زبیدی نے سہولت اور افادہ عام کے لیے صحیح بخاری کی مکررات اور ان کی اسناد حذف کر کے کیا تھا، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، کتاب کے شروع میں امام بخاری کے مختصر حالات اور صحیح بخاری کے رواۃ کا تعارف اور ان کی مرویات کی تعداد کی تفصیل ہے، اردو داں شائقین حدیث کو اس کتاب کے مطالعہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

حیدرآباد کے بڑے لوگ۔ جناب سید غلام پنجتن شمشاد، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۵۲ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۶؍ پتہ: سب رس کتاب گھر خیرت آباد حیدرآباد دکن۔

اس کتاب میں مرحوم حیدرآباد دکن کے ایسی پندرہ شخصیتوں کے حالات ہیں جنھوں نے نمایاں ملکی، قومی، سیاسی یا علمی کام انجام دیے ہیں، مثلاً افسر الملک، سر امین جنگ، چراغ علی سالار جنگ، سید علی بلگرامی، سروجنی نائیڈو، مہاراجہ کشن پرشاد، کیشوراؤ، اور رام چند رنائک وغیرہ کتاب دلچسپ ہے، اور اس سے ان شخصیتوں کے حالات کے ساتھ حیدرآباد کے بہت سے تاریخی، سیاسی اور سماجی حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔

"م"

فارم ۱۷

دیکھو رول نمبر ۸

معارف۔ اعظم گڈھ

مقام اشاعت	دار المصنفین، اعظم گڈھ
نوعیت اشاعت	ماہانہ
نام پرنٹر	صدیق احمد
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دار المصنفین، اعظم گڈھ
نام پبلشر	"
قومیت	....
پتہ	دار المصنفین، اعظم گڈھ
نام اڈیٹر	شاہ معین الدین احمد ندوی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دار المصنفین، اعظم گڈھ
نام و پتہ مالک رسالہ	" "

میں صدیق احمد تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں،

صدیق احمد

۹ مئی ۱۹۵۷ء

جلد ۹ ماہ ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۵۷ء نمبر ۶

مضامین

مقالات

آثارِ علمیہ